جنہیں جرمِ عشق پہ ناز تھا

نگہت سیما

ناولٹ

جنہیں جرمِ عشق پہ ناز تھا

نگہت سیما

''اماں میں نہیں جاؤں گی خالہ کے گھر۔ ان کی دونوں بیٹیاں اُف توبہ...... سیدھے منہ بات تک نہیں کرتیں...... یاد ہے پچھلی بار جب ہم گئے تھے تو آپ کی چھوٹی بھانجی صاحبہ نے کوئی پچاس دفعہ کہا تھا کہ ہم نے تو دال پکائی ہوئی تھی بس آپ کے لیے یہ نہاری اور چکن بنایا ہے۔ ہم ٹھیک گیارہ بج کر بیس منٹ پر ان کے گھر پہنچے تھے اور گیارہ پینتیس پر انہوں نے کھانا ٹیبل پر لگا دیا تھا یعنی کھاؤ مرو اور دفع

ہو جاؤ۔ خود تو کچن سے باہر نہیں نکلیں اور ہمارے لیے یوں فٹافٹ کھانا لگایا جیسے ہم کھانے کے لیے ہی تو وہاں گئے تھے۔ سچ پوچھیں تو جو دو نوالے کھائے وہ حلق میں ہی پھنس گئے تھے۔"

"چل چپ کر کمبخت۔" اماں کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا تھا۔

"گیٹ تک آتے، آتے بھی انہوں نے دس دفعہ مزید بتایا کہ یہ نہاری اور چکن تو صرف آپ کے لیے بنایا ورنہ میں نے تو صبح ہی دال بنا کر رکھ دی تھی۔" اصفیہ پر اماں کی ڈانٹ کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ "اور بڑی بھانجی صاحبہ ابھی ہم بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ پوچھتی ہیں کہ آپ کھانا کھائیں گی ناں۔ میں چاول پکانے لگی ہوں آپ کے لیے بھی ڈال دوں اور پھر بھی جو آپ کی بھانجیاں کھانے پر ساتھ بیٹھی ہوں جیسے ہم کوئی چوڑے چمار ہیں۔ کھانا لگا کر غائب ہو جاتی ہیں۔"

"تو اب چپ کرے گی یا نہیں؟" اماں نے غصے سے جوتا کھینچ مارا۔ اصفیہ نے سر جھکا کر خود کو بچایا۔

"توبہ ہے اماں، سچ بولنے پر کیوں غصہ کرتی ہیں۔ ایمان سے بتائیں اس میں ایک لفظ بھی جھوٹ ہے کیا؟" برآمدے میں اخبار پڑھتے حسین محمود نے اخبار چہرے کے آگے کر کے مسکراہٹ چھپائی۔ اماں کا غصہ عروج پر پہنچ چکا تھا۔

"چل دور ہٹ جا میری نظروں سے۔"

"سوری مام۔" اصفیہ نے اٹھ کر اماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ "آپ خفا ہو گئیں لیکن مام سچ تو کڑوا ہی ہوتا ہے ناں۔"

"چل ہٹ۔" انہوں نے اس کے بازو جھٹکے۔

"پہلے آپ بتائیں خفا تو نہیں ہیں ناں؟" وہ بھی ایک ڈھیٹ تھی۔ دھڑلے سے ہر بات کہہ دیتی اور پھر منا بھی لیتی انہیں۔ انہوں نے منہ پھیر لیا تھا۔

"پاؤں پکڑوں تو تب ناراضی ختم کریں گی؟" اصفیہ ان کے پیچھے سے ہٹ کر سامنے آگئی۔

"نہیں ہوں ناراض، چل جا اب۔" ان کی پیشانی کے بل کچھ کم ہوئے۔ اپنی ساری اولاد میں سے انہیں اصفیہ سے بہت محبت تھی۔ ایک تو وہ سب سے چھوٹی تھی اور سب سے خوب صورت بھی۔ بچپن میں تو وہ اسے چھپائے ہی رکھتیں کہ کہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے اور پھر تین سال کی عمر میں وہ ایسی شدید بیمار پڑی کہ بچنے کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ خدا نے زندگی دی اور اماں کو وہ جان سے زیادہ عزیز ہو گئی اور یہ ان کی حد سے زیادہ محبت کا نتیجہ ہی تھا کہ باقی بہن بھائیوں کی طرح وہ ان سے ڈرتی نہیں تھی اور جو جی میں آتا کہہ دیتی۔

"تھینک یو مائی سوئٹ اماں جان۔" وہ مسکراتی ہوئی ابا کی کرسی کے ہتھے پر بیٹھ گئی۔

"تمہاری اماں کہہ رہی ہیں تو چلی جاؤ ان کے ساتھ بہت دن ہو گئے ہیں انہیں بہن کی طرف گئے۔" انہوں نے کن انکھیوں سے زہرا بیگم کی طرف دیکھا جو سبزیوں کے چھلکے سمیٹ کر ٹوکری میں رکھ رہی تھیں۔

"چھوڑیں ابا، میرا دل نہیں چاہتا اُدھر جانے کو...... آپ بتائیں، آپ چلیں گے منی پھپو کی طرف......؟"

"آ...... ہاں نہیں۔" انہوں نے ہنکارا ابھرا۔

"تجھے بہت ماتا آ رہی ہے منی پھپو کی تو، تو چلی جا تیرے ابا نہیں جائیں گے۔" ٹوکری اٹھائے غصے سے پاؤں زمین پر مارتی وہ کچن میں چلی گئیں۔

"میرا خیال ہے اصفیہ رانی، آپ نے پھر اپنی اماں جان کو ناراض کر دیا۔" حسین محمود نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے مسکراہٹ روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"اماں مجھ سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتیں۔"

اس نے بڑے مان سے کہا اور تھوڑا سا ان کی طرف جھکی۔ "ویسے یہ عورتیں میرا خیال ہے 99% عورتیں اپنے میکے والوں کو زیادہ اہمیت دیتی ہیں، ہے ناں ابا۔"

"اور باقی دس فی صد؟" حسین محمود نے اخبار نیچے رکھ دیا۔

"باقی دس فی صد میرا خیال ہے pretend کرتی ہیں سسرال کو اہمیت دینے کو۔"

"بہت خوب۔" انہوں نے قہقہہ لگایا۔

"اصفی۔" کچن سے ماں نے غصے سے اسے پکارا۔

"جی اماں۔"

"باتوں کے علاوہ بھی کچھ کر لیا کرو، میں نے اسٹینڈ پر کپڑے رکھے ہیں، استری کر دو۔"

"میرا خیال ہے مجھے اماں کو مزید ناراض نہیں کرنا چاہیے۔" وہ ابا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ انہوں نے پھر اخبار اٹھا لیا تھا۔ وہ بے چارے تو کب کے زہرا بیگم کے سامنے ہتھیار پھینک چکے تھے اور اب ان کا ٹارگٹ بچے تھے۔ انہیں جب بھی موقع ملتا وہ انہیں اپنے سسرالی عزیزوں کے خلاف ورغلاتی رہتی تھیں۔

بڑے دونوں بیٹے اور بیٹی تو خاموشی سے ان کی بات سن لیتے بلکہ دل میں بٹھا بھی لیتے کہ وہ سچ کہہ رہی ہیں لیکن اصفیہ ہر بات پر بحث و مباحثہ کرتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اماں یونہی مخالفت برائے مخالفت کرتی ہیں ورنہ منی پھپو، عادل چچا اور ناہید پھپو سب ہی بہت اچھے اور محبت کرنے والے ہیں۔ عادل چچا اور ناہید پھپو تو عرصے سے باہر تھے لیکن منی پھپو اسے بہت ہی اچھی لگتی تھیں اور ان کے گھر اس کا دل بھی بہت لگتا تھا۔

منی پھپو اس کی سگی پھپو نہیں تھیں بلکہ ابا کی چچا زاد بہن تھیں اور اس بڑے سے گھر کے دوسرے پورشن میں وہ اس کی پیدائش کے بہت بعد تک رہتی رہی تھیں لیکن پھر محض اماں کی وجہ سے انہوں نے یہ گھر چھوڑ دیا۔ منی پھپو کے والد تو ان کے بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے البتہ والدہ ان کی شادی سے چند ماہ پہلے فوت ہوئی تھیں۔ اماں کی کبھی، کبھی کی گفتگو سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ شاید ابا بھی منی پھپو میں انٹرسٹڈ تھے یا شاید ان سے محبت کرتے تھے لیکن پھر ان کی شادی نہ ہو سکی اور دادی اپنی بھانجی کو بیاہ کر لے آئیں۔ یقیناً وہاں بھی میکے والوں کو اہمیت دینے کا مسئلہ ہوگا اور دادی نے ابا کو مجبور کیا ہوگا کہ وہ ان کی بھانجی سے شادی کر لیں ورنہ وہ دودھ نہیں بخشیں گی وغیرہ، وغیرہ یہ اصفیہ کا ذاتی خیال تھا۔

منی پھپو بہت خوب صورت تھیں بالکل کسی مغل شہزادی کی طرح نازک، دبلی پتلی، لانبی، لانبی آنکھوں والی اور ان میں وقار بھی شہزادیوں ایسا ہی تھا پھر پتا نہیں کیوں ابا نے ان کے بجائے اماں سے شادی کر لی۔ کئی بار اس نے یہ بات حفصہ آپی سے ڈسکس کی تھی اور ڈانٹ کھائی تھی۔

"یہ تم کیا الٹی سیدھی باتیں سوچتی رہتی ہو۔" لیکن اسے منی پھپو اچھی بھی تو بہت لگتی تھیں۔ ان کی شادی پروفیسر نجیب احمد سے ہوئی تھی اور نجیب احمد شادی کے بعد یہاں اسی گھر میں آگئے تھے۔ اس نے اپنا بچپن منی پھپو کی گود میں ہی گزارا تھا بلکہ اس نے ہی نہیں حفصہ آپی، شیراز اور فراز بھائی نے بھی۔ ہر بار اماں کی چالیس، چالیس دن انہوں نے ہی خدمت کی تھی لیکن جب بچے بڑے ہوئے تو اماں سب بھول گئیں۔ انہیں منی پھپو کا وجود کھٹکنے لگا تھا ان کے بچوں سے چڑ ہو گئی تھی۔ شیراز بھائی کی گل آپی میں دلچسپی ان سے چھپی نہ تھی۔ اس نے کتنی ہی بار شیراز بھائی کو گل کے انتظار میں برآمدے میں ٹہلتے دیکھا تھا...... اور کئی بار شیراز نے اس سے پوچھا تھا۔

"اصفی تم منی پھپو کی طرف سے آ رہی ہو، گل کیا

کررہی تھی، اس نے کیسا لباس پہنا ہوا تھا؟'' ان کے لہجے کا اشتیاق اب بھی اسے یاد تھا...... لیکن اماں کو ان ہی دنوں یاد آگیا تھا کہ حسین محمود، منی سے شادی کرنا چاہتے تھے اور یہ کہ منی ان کا گھر اجاڑنا چاہتی ہیں اور نہ جانے کیسی، کیسی باتیں کرنے لگی تھیں وہ کہ منی پھپو نے اپنا گھر چھوڑ دیا۔

''ارے اپنا گھر ہوتے ہوئے کرائے کے گھر میں کیوں رہوگی تم؟'' حسین محمود کو حیرت ہوئی تھی۔

''بس وہ نجیب صاحب کو یہاں سے اپنا کالج دور پڑتا ہے۔'' منی پھپو کی خوب صورت آنکھیں نم تھیں۔ تب وہ نویں جماعت کی طالبہ تھی لیکن منی پھپو کے جانے پر وہ بہت روئی تھی اور شیراز بھائی تو کتنے ہی دن اداس اور خاموش سے برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے ان کے خالی پورشن کو تکا کرتے تھے۔

استری اسٹینڈ پر استری رکھتے ہوئے اس نے سامنے منی پھپو کے پورشن کی طرف دیکھا۔ برآمدے کے ستون کے ساتھ اوپر جاتی موتیے کی بیل کب کی سوکھ چکی تھی۔ صبح شام کتنی خوشبو سی پھیلی رہتی تھی سارے گھر میں...... پھپو نے گھر کو بہت سجا کر رکھا ہوا تھا۔

سارے پھول پودے کب کے ختم ہوچکے تھے خالی گملے سوکھی مٹی سے بھرے پڑے تھے۔ شروع، شروع میں جب منی پھپو گئیں تو شیراز بھائی بڑی باقاعدگی سے موتیے اور دوسرے پھولوں کو پانی دیتے رہتے تھے لیکن پھر انہوں نے کچھ عرصے بعد پانی دینا چھوڑ دیا تھا۔ شاید انہیں یاد نہیں رہا تھا کہ اکثر گل آپا صبح، صبح موتیے کے پھول ان کی ٹیبل پر رکھ دیتی تھیں اور سارا دن کمرا پھولوں کی خوشبو سے مہکا رہتا تھا۔

کپڑے استری کرکے اصفیہ نے ہینگر میں لٹکا دیے اور وہاں سے اماں کو آواز دی۔

''اماں کپڑے استری کردیے ہیں۔''

''اچھا تو خود بھی تیار ہوجا۔ شیزی نے کہا تھا گھنٹے تک آجاؤں گا اور پھر لے جاؤں گا۔'' اس کی اتنی ساری لمبی چوڑی تقریر کا اماں پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

اس نے برا سا منہ بنایا اب مزید انکار کا مطلب تھا اماں کی پکی، پکی ناراضی اور اب ان کی مغرور بھانجیوں کی مغرورانہ گفتگو...... رات کے بچے دال، چاول اور گوشت دسترخوان پر سجا کر کہیں گی۔

''خالہ بس ابھی ابھی آپ کے لیے پکائے ہیں۔'' اور پھر اس کے اور اماں کے سامنے دسترخوان بچھا کر کھانا لگا دیا جائے گا اور باقی گھر کے افراد ابھی بھوک نہیں ہے پھر کھالیں گے کہہ کر اِدھر اُدھر ہوجائیں گے۔

''پتا نہیں اماں کو کیوں نہیں احساس ہوتا بلکہ وہ تو ہمیشہ بے حد خوش، خوش واپس آتی ہیں حالانکہ منی پھپو کی تو نہ محسوس کرنے والی بات کو بھی اماں ضرورت سے زیادہ محسوس کرتی تھیں۔ شاید میکے سے متعلق رشتوں کی زیادتیاں محسوس ہی نہیں ہوتیں۔'' یہ بھی اس کا ذاتی تجزیہ تھا۔ جس سے ضروری نہیں کہ سب کو اتفاق ہو۔

''فصی کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ میرے بجائے اماں کے ساتھ تم چلی جاؤ۔'' اس نے حفصہ کی منت کی۔

''میں......؟ نہیں بھئی۔'' حفصہ نے صاف انکار کردیا۔

''بھئی میری پڑھائی کا حرج ہوتا ہے اور تم تو فارغ ہو ناں۔'' وہ میڈیکل کے فائنل ایئر میں تھی جبکہ اصفیہ بی اے کا امتحان دے کر فارغ تھی۔ ابھی اس کا رزلٹ نہیں آیا تھا۔

''ویسے فصی، یہ اماں اکیلی بھی تو جاسکتی ہیں شیزی بھائی کے ساتھ۔''

''ہاں جا تو سکتی ہیں لیکن وہ نہیں چاہتیں کہ تم خواہ مخواہ گھر میں بور ہو۔ میں تو ظاہر ہے پڑھائی میں

مصروف ہوں اور تم اکیلی......''

''اور میں وہاں جاکر زیادہ بور ہوں گی لیکن یہ بات اماں کی سمجھ میں نہیں آتی۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی حفصہ کے پاس سے اٹھ گئی۔

''اور کتنا اچھا ہوتا اگر آج اماں منی پھپو کی طرف جانے کا پروگرام بنالیتیں۔ کتنے دن ہوگئے اُدھر گئے۔'' اس نے انگلیوں پر حساب لگایا۔

پیپرز شروع ہونے سے پہلے وہ گئی تھی۔ تقریباً پندرہ دن تک پیپرز ہوتے رہے اور اب پیپرز سے فارغ ہوئے بھی ہفتے بھر سے زیادہ ہوگیا تھا۔

''اور وہاں سب کو میرا انتظار ہوگا۔'' وہ مسکرائی۔ ''خیر کل ضرور جاؤں گی۔'' اس نے دل ہی دل میں عہد کیا اور بیزاری سے اماں کے ساتھ جانے کو تیار ہونے لگی۔

☆☆☆

''گل آپی!'' اصفیہ، گل کے بیڈ پر ان کے سامنے ہی آلتی پالتی مارے بیٹھی بہت دھیان سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''بس گڑیا ایک آخری سوال رہ گیا ہے۔'' گل نے لکھتے، لکھتے سر اٹھا کر اصفیہ کی طرف دیکھا اور دھیمے سے مسکرادی۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ صبح ہی منی پھپو کی طرف آئی تھی۔ پہلے اس نے ابا سے ناشتے کی ٹیبل پر کہا کہ وہ آج اسے منی پھپو کے گھر چھوڑ آئیں کیونکہ منی پھپو اور گل باجی اسے بہت یاد آرہی ہیں اور یہ کہ منی پھپو کی طبیعت بھی خراب ہے کل اس نے گل آپی کو فون کیا تھا تو انہوں نے اسے بتایا تھا لہٰذا اسے آج جانا ہی ہے۔ ایسے بنے بنائے بہانے اس کے پاس ہر وقت موجود ہوتے تھے۔

''بلکہ ابا جانی......'' اس نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔ ''جانا تو آپ کا بھی بنتا ہے، آخر کو وہ آپ کی کزن ہیں اور بیمار کی تیمارداری تو سنتِ نبویؐ ہے ناں!'' زہرا بیگم نے تنبیہی نظروں سے شوہر کو دیکھا تو وہ جو منی پھپو کی بیماری کا سن کر سلائس ہاتھ میں پکڑے اصفیہ کی طرف دیکھنے لگے تھے...... سٹپٹا کر پلیٹ پر جھک گئے اور اصفیہ نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے اماں کی طرف دیکھا۔

''اور اماں آپ کو بھی تو جانا چاہیے اگرچہ بھابیاں تو نندوں کی بیماریوں پر دل ہی دل میں خوش ہوتی ہیں لیکن رسم دنیا بھی تو کوئی چیز ہے ناں۔ یوں بھی منی پھپو کون سا آپ کی سگی نند ہیں۔ اصل جلاپا تو سگی نند سے ہوتا ہے، کیوں اماں؟'' اور اماں کا پیمانۂ صبر لبریز ہوچکا تھا۔ انہوں نے شوہر کی طرف دیکھا۔

''سن رہے ہیں آپ اس کی باتیں۔''

''کیا...... کیا کہا؟'' حسین محمود چونکے تھے اور اصفیہ کو سو فی صد یقین تھا کہ ابا ضرور منی پھپو کی بیماری کے متعلق سوچ رہے ہوں گے۔

''ہاں...... ہاں آپ کیوں سنیں گے ایسی باتیں۔ آپ کے تو دل کی بات کررہی ہے ناں وہ...... ارے میں پوچھتی ہوں کہ کیا جلاپا دیکھ لیا اس نے میرا؟''

''اوہو اماں، آپ بھی کمال کرتی ہیں آپ کی کوئی سگی نند ہے ہی نہیں تو میں نے کون سا جلاپا دیکھ لیا، یہ تو ویسے ہی بات کی تھی میں نے دنیا زمانے کی۔''

''اور تیری یہ ویسے ہی باتیں اندر تک جلا کر رکھ دیتی ہیں مجھے...... جو منہ میں آتا ہے اول فول بک دیتی ہے اور باوا ہیں کہ منع ہی نہیں کرتے۔'' اماں زیادہ دیر اسے خفگی دکھا ہی نہیں سکتی تھیں۔

''سوری اماں، آپ کو برا لگا تو...... ویسے آپ لوگ چل رہے ہیں ناں منی پھپو کی طرف؟'' اس نے باری، باری دونوں کی طرف دیکھا۔

''اوہ ہاں۔'' حسین محمود نے چائے کا بڑا سا گھونٹ بھرا۔ اماں کی نظریں انہی پر مرکوز تھیں۔

”مجھے تو آفس میں بہت ضروری کام ہے۔ ایسا کرو تم اماں یا شیزی کے ساتھ چلی جاؤ۔“ شوہر کی طرف سے مطمئن ہو کر اماں نے فراز کی طرف دیکھا۔

”شیراز اب کہاں اسے اتنی صبح، صبح لے کر جائے گا۔ اپنے آفس بھی جانا ہے اسے، فراز بیٹا تم چھوڑ آنا اسے تمہارا کالج بھی تو اسی طرف ہے ناں۔“

”جی اماں۔“ فراز بہت رغبت سے پراٹھے کے ساتھ آملیٹ اور اچار کھا رہا تھا یہ اس کا پسندیدہ ناشتا تھا۔

”اور کالج سے واپسی پر اسے لیتے بھی آنا۔“

”واپسی کی فکر مت کریں آپ کوئی نہ کوئی چھوڑ جائے گا۔“ اس نے باری، باری ابا اور بھائی کی طرف دیکھا تھا۔ حسین محمود کے چہرے پر سنجیدگی تھی اور شیراز کی چند لمحے پہلے اچانک چمکنے والی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی۔

”اور کیا تھا اگر اماں شیراز بھائی کی شادی گل آپی سے کر دیتیں۔ شیراز بھائی کتنا چاہتے تھے گل آپی کو چپکے، چپکے انہیں تکا کرتے۔“ گل صبح صبح ہی اپنے آنگن سے موتیے کے پھولوں کا پیالہ بھر کر شیراز کے کمرے میں ٹیبل پر رکھ دیتی کیونکہ اسے موتیے کی خوشبو بہت پسند تھی۔ جب منی پھپو جا رہی تھیں تو اس نے سنا تھا شیراز بھائی گل سے کہہ رہے تھے۔

”میں موتیے کے ان پھولوں کو ہر روز صبح چن کر اپنے کمرے میں رکھوں گا گل اور ان کی خوشبو مجھے تمہاری یاد دلائے گی۔“

”یادیں کسی بیرونی آسرے کی محتاج نہیں ہوتیں شیراز، یہ تو آدمی کے اندر ہوتی ہیں۔“

موتیے کی بیل اب سوکھ گئی تھی اور وہ سمجھتی تھی کہ شاید شیراز بھائی کے دل میں گل آپی کی محبت کا پودا بھی سوکھ گیا تھا لیکن آج جس طرح منی پھپو کی طرف جانے کا سن کر ان کا چہرہ کھل اٹھا تھا پھر جس طرح یک دم آنکھیں بجھ گئی تھیں تو اسے لگا شاید ابھی اندر گہرائی میں کہیں کوئی جڑ باقی ہے جو شاید ذرا سی کوشش سے پھوٹ پڑے۔

”صفی پلیز، تیاری میں گھنٹا نہ لگا دینا۔ مجھے کالج سے دیر نہ ہو جائے۔“ فراز نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تھا۔

”گھنٹا؟“ اس نے حیرت سے فراز کی طرف دیکھا تھا۔ ”میں تیار ہوں چلو۔“ ٹشو سے جلدی، جلدی ہاتھ اور منہ صاف کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ناشتا تو کرلو، منی کا گھر کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔“ زہرا بیگم نے غصے سے کہا اور واک آؤٹ کر گئیں۔ شیراز اور حفصہ خاموشی سے ناشتا کرتے رہے۔

”اپنی اماں کو غصہ مت دلایا کرو صفی۔“ آج حسین محمود کی آواز میں شکستگی سی تھی۔ ”یہ جو تم ہر دس بارہ دن بعد منی کے گھر جانے کے لیے تیار ہو جاتی ہو تو تمہاری اماں کو اچھا نہیں لگتا۔“

”پہلے تو اپنا حساب درست کرلیں ابا جان۔ میں دس، بارہ دن بعد نہیں بیس، پچیس دن بعد جاتی ہوں اور اب کے تو پورے اٹھائیس دن بعد جا رہی ہوں۔ اماں کو میرا وہاں جانا اچھا نہیں لگتا کیوں...... اماں مجھے کوئی ٹھوس وجہ بتا دیں تو نہیں جاؤں گی۔ یہ الگ بات ہے کہ منی پھپو سے جدا ہو کر میں مروں گی تو نہیں تو مرنے جیسی ضرور ہو جاؤں گی۔ اس لیے کہ مجھے منی پھپو سے بہت محبت ہے۔ انہوں نے مجھے پالا ہے، میرے لاڈ اٹھائے ہیں اور گل آپی......“

”ارے خوب کہی آپ نے حسین صاحب۔ مجھے بھلا کیوں اچھا نہیں لگے گا۔“ اماں شاید کہیں نزدیک ہی تھیں اس لیے فوراً انٹری دی تھی۔ ”میں نے کب روکا کسی کو جانے سے...... آپ بھی بھلے شوق سے جائیں، صبح شام حاضری دیں۔ ہاں مجھے گھر کے کاموں سے فرصت نہیں ملتی تو جا نہیں پاتی جب ملتی ہے تو چلی جاتی ہوں۔ ہاں آپ کی منی بیگم

کی ناک کٹتی ہے ادھر آتے ہوئے۔“

”آپ کی منی۔“ اس نے زیرِ لب کہا تھا لیکن شاید حسین محمود نے سن لیا تھا کہ وہ زیرِ لب مسکرائے تھے۔

”ضرور دل میں لڈو پھوٹ رہے ہوں گے۔“ اسے سو فی صد یقین تھا کہ ابا نے منی پھپو سے بہت شدید قسم کی محبت کی ہوگی۔ اتنی خوب صورت، اتنی اچھی اور پرفیکٹ سی منی پھپو سے محبت ہو جانا تو یقینی تھا جبکہ ایک ہی گھر میں ہر وقت آمنا سامنا تھا۔

”چلو بھئی۔“ فراز تیار ہو کر آ گیا تھا۔

”اپنا ہینڈ بیگ لے آؤں۔“ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھی تو ابا بھی چند قدم چل کر اس کے قریب آئے۔

”سنو اصفی، یہ کچھ پیسے رکھ لو۔“ انہوں نے والٹ سے کچھ نوٹ نکال کر اسے دیے۔ ”راستے میں سے کچھ فروٹ اور جوسز لے لینا اور ہاں منی کو کیا ہوا ہے...... بہت بیمار ہے کیا؟“ ان کے لہجے سے تشویش جھلکتی تھی۔

”نہیں بس ذرا سا فلو کا مسئلہ تھا وہ تو میں نے ذرا اماں کو ایموشنلی بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی کہ پچھلی بار جب میں گئی تھی تو منی پھپو، اماں اور آپ کے متعلق بہت پوچھ رہی تھیں۔ بہت یاد کر رہی تھیں۔“ ان کے چہرے پر اطمینان سا نظر آیا۔

”ویسے بندے کو اتنا بھی کمزور دل کا نہیں ہونا چاہیے۔“ اس نے جتاتی نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور جب وہ ہینڈ بیگ لے کر باہر آئی تھی تو شیراز اسی طرح ٹیبل پر بیٹھا تھا جبکہ حفصہ اور اماں جان وہاں سے جا چکی تھیں۔ حفصہ کمرے میں نہیں آئی تھی تو اس کا مطلب تھا کہ وہ کچن میں ہوگی۔ آج اسے کالج نہیں جانا تھا۔

”میں جا رہی ہوں اماں۔“ اس نے وہاں ہی کھڑے، کھڑے بلند آواز میں کہا اور فراز کے ساتھ باہر نکل آئی۔ فراز اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ گھر میں منی پھپو اکیلی تھیں۔ گل اپنے کالج میں تھی۔ نجیب انکل اور رواحہ اور ارفع بھی جا چکے تھے۔ منی پھپو ہمیشہ کی طرح بہت محبت سے ملیں۔ کتنی دیر تک اسے لپٹائے کھڑی رہیں۔

”اتنے دنوں بعد آئی ہو اصفی بہت اداس ہو گئی تھی تیرے لیے۔“

”تو آپ آ جاتیں ناں! میں تو پہلے امتحان میں مصروف تھی پھر اماں نے پھنسا دیا کاموں میں۔ آپ بھی تو آسکتی تھیں ناں؟ اس نے پھر کہا اور شکوہ بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔

”ہاں، کہا تھا میں نے رواحہ سے لیکن تمہیں پتا ہے ناں وہ اور رفی دونوں ہی اتوار کو فارغ ہوتے ہیں۔“

”اور اتوار کو آپ نے آنا نہیں تھا کیونکہ اتوار کو ابا جو گھر میں ہوتے ہیں اور آپ کو ابا سے ڈر لگتا ہے ناں۔“ وہ لگی لپٹی تو رکھتی ہی نہیں تھی اور جانتی تھی کہ منی پھپو اتوار کو ان کے گھر کبھی نہیں آتی تھیں۔ بہت پہلے جب وہ نئی، نئی اس گھر میں شفٹ ہوئی تھیں تو ارفع یا رواحہ کے ساتھ اتوار کو ملنے آئی تھیں اور ان کے جاتے ہی اماں نے حسین محمود سے کہا تھا۔

”یہ منی بھی اتوار کے اتوار آ دھمکتی ہے باقی کے سارے دن کیا زمین سے اٹھ گئے۔ جانتی ہوں حسین محمود وہ کیوں اتوار کو آتی ہے؟“ اور منی پھپو نے اتوار کو آنا چھوڑ دیا تھا۔

اصفیہ کو شک تھا بلکہ پورا یقین تھا کہ منی پھپو نے جاتے، جاتے ضرور سن لیا ہوگا۔ ایسے مواقع پر جب اماں نے کوئی بات سنانی ہوتی تھی تو ان کی آواز خود بخود بلند ہو جاتی تھی۔ اتنی بلند کہ اپنے آنگن میں کام کرتی منی پھپو بخوبی سنتی تھیں۔

”کل رات کہہ رہی تھی ارفع سے کہ کسی دن

اسے لے جائے تمہاری طرف۔“ منی پھپو نے بات سنی ان سنی کردی تھی۔

”چھوڑیں پھپو، میں آپ سب سے بہت ناراض ہوں۔ میں تو مر بھی جاؤں تو آپ لوگوں نے خبر نہیں لینی میری۔“ اس نے جھوٹ موٹ ناراضی کا اظہار کیا لیکن منی پھپو کانپ گئیں۔

”اللہ نہ کرے تمہیں کچھ ہو اصفی۔“ ان کی آواز بھرّا گئی تھی۔ ”تم سب تو میرے دل میں بستے ہو۔“

”ارے پھپو کچھ نہیں ہونے والا مجھے، میں تو بس ذرا آپ سے لاڈ کر رہی تھی۔ ورنہ میرا بس چلے تو ہر روز آجایا کروں۔“

”اچھا اماں کیسی ہیں تمہاری؟ فصی، شیزی، فراز سب ٹھیک ہیں ناں؟“

”سب مزے میں ہیں، ہاں ابا کی کچھ......“ اس نے نچلے ہونٹ کا دایاں کونا دانتوں تلے دبا کر منی پھپو کی طرف دیکھا تھا جو بے چینی سے پوچھ رہی تھیں۔

”کیا ہوا حسین بھائی کو ٹھیک تو ہیں۔ پچھلی بار تمہارے ساتھ آئے تھے تو کچھ کمزور لگ رہے تھے۔“

”وہ تو خیر تب ذرا واک شاک کر رہے تھے اسمارٹ ہونے کے لیے تھوڑی سی توند نکل آئی تھی ناں اس لیے کمزور تو نہیں تھے۔ ہاں اب ذرا کچھ طبیعت ناساز تھی ان کی۔“

”تو اب کیا ہوا انہیں؟“ منی پھپو بے چینی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

”بس ذرا فلو ہو گیا تھا پچھلے دنوں۔“ وہ بے پروائی سے کہہ کر دھپ سے کرسی پر بیٹھ گئی تھی اور منی پھپو کے چہرے پر اطمینان سا پھیل گیا تھا۔

”تم بیٹھو اصفی میں تمہارے لیے چائے بناتی ہوں۔“

”ارے پھپو چائے وائے چھوڑیں...... پہلے ذرا گل آپی کو فون کردیں کہ مابدولت تشریف لا چکے ہیں فوراً سے بیشتر چھٹی لے کر گھر آجائیں گے۔“ پھپو فون کر کے کچن میں گھس گئی تھیں اور جب گل گھر آئی تو وہ کچن میں ہی پھپو کے تلے ہوئے رولز، کبابوں اور نگٹس سے انصاف کر رہی تھی۔

”آجایئے گل آپی آپ بھی۔“

”نہیں، تم کھا کر آجاؤ کمرے میں۔ اتنے میں تھوڑا سا کام کرلوں گی۔“

”کچھ تو لے لو گل۔“ پھپو نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

”نہیں امی، میں نے ابھی کچھ دیر پہلے ہی کالج میں چائے پی تھی اور سموسے بھی کھائے تھے۔“ پھر کھا پی کر اور رولز اور کبابوں کی بے حد تعریف کر کے وہ گل کے کمرے میں آئی تھی۔ اسے گل آپی پہلے کے مقابلے میں کچھ کمزور اور سنجیدہ سی لگی تھیں۔

”تم بیٹھو اصفی میں بس یہ کوئچن پیپرز کمپلیٹ کرلوں تو پھر سارا وقت تمہارے لیے۔“ گل ایک پرائیویٹ کالج میں پڑھاتی تھی جو گھر کے نزدیک ہی تھا سو وہ اس کے سامنے ہی بیڈ پر بیٹھی اسے پیپرز بناتے دیکھ رہی تھی۔

”سوری اصفی۔“ گل نے قلم بند کر کے قلم اور کاغذ ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ ”دراصل یہ آج ہی جمع کروانے تھے۔ امی کا فون آیا تھا تو میں نے سوچا کہ میری واپسی تک تم چلی ہی نہ جاؤ۔ اس لیے میں آگئی پرنسپل نے کہا تھا کہ وہ پیون بھیج کر منگوا لیں گی۔“

”ہاں، اماں نے کہا تھا فراز کالج سے واپس آتے ہوئے لے جائے گا۔“

”تو رک جاؤ ناں، آج رات اِدھر ہی رہ جاؤ تمہیں کون سا صبح کالج جانا ہے۔“

”ہاں وہ تو ہے لیکن اماں ناراض ہوں گی۔“

”تمہارے لیے اماں کو منانا کون سا مشکل ہے۔“

”ہاں یہ تو ہے۔“ وہ مسکرائی۔ ”اماں مجھ سے زیادہ ناراض نہیں رہ سکتیں۔“

”حفصہ اور باقی سب کیسے ہیں؟“

”فصی آپی تو ہر وقت کمرے میں گھسی کتابوں میں سر گھسیڑ کر بیٹھی رہتی ہیں۔ شکر ہے میں نے ڈاکٹر بننے کی کوشش نہیں کی۔ عین وقت پر شیزی بھائی میرے فارم میں بایو اور فزکس وغیرہ لکھنے لگے تھے اماں نے ان کے ہاتھ سے فارم چھین لیا تھا۔

”نہ اس نے کوئی سائنس وائنس نہیں پڑھنی...... اتنی سی تو جان ہے اس کی۔“ اس نے مسکرا کر گل کی طرف دیکھا۔

”اماں کا یہ احسان تو میں کبھی بھول نہیں سکتی ورنہ میں بھی آج فصی کی طرح کتابی کیڑا بنی ہوتی۔ شیزی بھائی بے چارے نے تو بڑی کوشش کی تھی کہ مجھے اور فراز کو بھی ڈاکٹر بنا دیں۔ حفصہ کی طرح شاید ان کا اپنا اسپتال کھولنے کا ارادہ ہو یا خود ڈاکٹر نہیں بن سکے اس لیے...... ویسے انہوں نے آپ کو بھی مشورہ تو ضرور دیا ہوگا، ہے ناں؟“ وہ تھوڑا سا گل کی طرف جھکی ہوئی پوچھ رہی تھی۔ گل جو بہت دھیان سے اس کی باتیں سن رہی تھی یک دم چونکی۔

”ہاں...... نہیں تو۔“

”جھوٹ نہیں چلے گا گل آپی، سچ بتایئے گا، کہا تھا ناں آپ کو شیزی بھائی نے؟“

اور گل نے سر ہلا دیا۔

”مجھے پہلے ہی پتا تھا۔“ وہ اپنے اندازے کے صحیح ہونے پر بے حد خوش ہوئی تھی۔

”بی اے کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے اصفی؟“ گل نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

”پتا نہیں گل آپی۔“ اس نے آلو کھاتے ہوئے کہا۔ ”ارادوں کا کیا ہے۔ آدمی پتا نہیں کیا، کیا سوچتا ہے اور کیا ہو جاتا ہے۔ جب رزلٹ آئے گا تو دیکھیں گے کیا کرنا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب تک رزلٹ آئے ہم ہی نہ ہوں۔“

”افوہ اصفی، تم کیسی فضول باتیں کرتی ہو۔ اللہ

محبت

بڑی سنگین حقیقت ہوگئی ہے
ہمیں ان سے محبت ہوگئی ہے

دہکنے سے لگے رخسار ان کے
بڑی رنگین شرارت ہوگئی ہے

درِ محبوب پہ پہرے بہت ہیں
بہت سوں کو رقابت ہوگئی ہے

رقیبوں کا تو جلنا کام ہے بس
انہیں ہم سے عداوت ہوگئی ہے

خرد کا کام سمجھانا ہے دل کو
مگر دل کو بغاوت ہوگئی ہے

عدو کی گالیاں سن کر بھی منہ میں
کہ چینی کی حلاوت ہوگئی ہے

ذرا دیکھیں کہ کیا لکھا ہے خط میں
یہ ہم پہ کیوں عنایت ہوگئی ہے

شمع کے سوز سے بیگانہ کیوں ہوں
ہمیں جلنے کی عادت ہوگئی ہے

میں دن کی روشنی میں خواب دیکھوں
کہ ست رنگی طبیعت ہوگئی ہے

گلوں کو باغ میں کھلتے جو دیکھا
ہمیں ہنسنے کی جرأت ہوگئی ہے

شاعرہ: فریدہ افتخار، پشاور

تمہیں لمبی زندگی دے۔'' گل نے یک دم پریشان ہوکراس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

''میرے کہنے سے کچھ نہیں ہوگا گل آپی۔ زندگی جتنی ہے اتنی ہی رہے گی۔''

''حفصی سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے۔'' جب منی پھپوان کے ساتھ ہی رہتی تھیں تو حفصہ اور گل میں بہت دوستی تھی۔ اگرچہ گل، حفصہ سے دو سال بڑی تھی۔

''انہیں تو میڈیکل کی پڑھائی نے نگل لیا ہے۔ بس آپ دروازے کو ہولے سے کھول کران کا درشن کرلیجیے گا لیکن آپ نے کون سا آنا ہے۔'' اس نے ہونٹ لٹکائے۔

''میں نے آنا تھا صفی، یقین کرو میں کب سے کہہ رہی تھی رفی کو کہ لے جائے لیکن......''

''تو آج چلیں میرے ساتھ!''

''نہیں آج نہیں...... پھر کسی دن آؤں گی۔''

''اچھا ایک بات پوچھوں؟'' وہ بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا؟'' گل نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''آپ کچھ پریشان ہیں کیا؟''

''ہاں...... نہیں تو۔'' گل سٹپٹائی تھی۔ ''میں بھلا کیوں پریشان ہوں گی بس تھکن ہوجاتی ہے ٹیچنگ بہت تھکا دینے والا پروفیشن ہے۔'' وہ یک دم کھڑی ہوگئی تھی۔

''تم بیٹھو صفی، میں دیکھوں امی کچن میں کیا کررہی ہیں۔''

''میں یہاں اکیلی بیٹھ کر کیا کروں گی۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہی کچن میں چلتی ہوں۔'' وہ بھی بیڈ سے اتر آئی تھی۔ ''اور مجھے پتا ہے منی پھپو میرے لیے میرا پسندیدہ یخنی پلاؤ پکا رہی ہوں گی۔'' گل مسکرادی۔

وہ دونوں کچن میں آئیں اور پھپو کو چاول صاف کرتے دیکھ کراس نے جتاتی نظروں سے گل کی طرف دیکھا۔ پھپو یخنی چڑھا چکی تھیں۔

''لائیں منی پھپو چاول میں صاف کرتی ہوں۔'' ان کے پاس ہی وہ پیڑھی پر بیٹھ گئی اور چاولوں کی پرات ان سے لے لی تھی۔ گل سلاد بنانے لگی اور وہ ہمیشہ کی طرح منی پھپو سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی اور کچن میں اِدھر اُدھر چھوٹے، چھوٹے کام کرتے ہوئے منی پھپو گاہے گاہے محبت سے اس کی طرف بھی دیکھتی جاتی تھیں۔

''منی پھپو کی شخصیت میں کتنا سحر ہے آج بھی...... اور بے چارے ابا وہ بھلا اس سحر سے کیسے بچ سکتے تھے۔'' وہ مسکرائی۔

☆☆☆

منی پھپو کا نام ممتاز جہاں تھا اور وہ حسین محمود کے سگے چچا کی بیٹی تھیں۔ چچا کی تین اولادیں تھیں، بڑے عادل جو حسین محمود کے ہم عمر تھے، اس سے چھوٹی ناہید اور پھر ممتاز جہاں۔ حسین محمود اکلوتے تھے اس لیے ان کا زیادہ تر وقت چچا کے ہاں ہی گزرتا تھا۔ چچا مسعود اور چچی بھی انہیں چاہتی تھیں۔ دونوں بھائی ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ گھر کی تعمیر دادا نے دونوں بھائیوں کے حساب سے ہی کروائی تھی۔ صحن ایک ہی تھا دونوں طرف ایک جتنے کمرے، کچن وغیرہ...... بہت عرصے بعد جب حسین محمود کی شادی ہوئی تو صحن کے درمیان میں گملے رکھ کر گویا حد بندی کردی گئی تھی۔

ممتاز جہاں جنہیں سب منی کہتے تھے بے حد حسین اور تایا اور ابا دونوں کی ہی لاڈلی تھیں۔ محمود صاحب اگر جان چھڑکتے تھے تو حسین محمود بھائی بھی بہت خیال رکھتے تھے اس کا اور اکثر موڈ میں ہوتے تو اسے ممتاز محل کہہ کر بلاتے تھے۔ وہ ابھی نو دس سال کی ہی تھی کہ مسعود چچا کا انتقال ہوگیا۔ عادل اور

ناہید تو ہولے ہولے سنبھل ہی گئے تھے لیکن وہ جب رونے پر آتی تو روئے ہی چلی جاتی۔ تب صرف حسین محمود ہوتے جو اسے بہلا لیتے تھے حالانکہ ان کی اپنی عمر بھی سولہ سترہ سال ہی تھی۔ ہولے ہولے اس کا رونا کم بھی ہوگیا لیکن پھر بھی وہ ہر بات کے لیے حسین کی طرف ہی بھاگ کر جاتی تھی کیونکہ عادل میڈیکل میں چلا گیا تھا اس کی پڑھائی بہت ٹف تھی اور حسین محمود ہی تھے جو اس کی چھوٹی سے چھوٹی خواہش کو ہمہ وقت پورا کرنے کو تیار رہتے تھے۔ بچپن کی یہ محبت کب کسی اور جذبے میں ڈھلی منی کو پتا چلا نہ حسین محمود کو۔ نہ دونوں نے کبھی اظہار کیا لیکن دونوں دل میں سمجھتے تھے کہ شاید وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ناگزیر ہیں۔

حسین محمود چچا کی طرف آتے تو ان کی نظریں ممتاز جہاں کو کھوجتیں۔ دیکھ لیتے تو لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ آٹھہرتی۔ منی کی پلکیں جھک جاتیں، چہرہ کھل اٹھتا لیکن پھر اچانک ہی محمود صاحب دنیا سے رخصت ہوگئے اور حسین محمود کی والدہ اپنی بھانجی کو بیاہ کرلے آئیں اور حسین محمود بیوہ ماں کے سامنے کچھ بھی نہ بول سکے۔ یہ تھی محبت کی وہ داستان جسے اصفیہ کھوجنا چاہتی تھی لیکن کوئی سرا ہاتھ نہ آتا تھا۔

''ابا نے منی پھپو سے ہوسکتا ہے کوئی طوفانی قسم کی محبت نہ کی ہو لیکن دل ہی دل میں انہیں پسند تو کیا ہوگا۔'' اس نے فون کی بیل پر منی پھپو کو باہر جاتے دیکھا اور گل کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''گل آپی تو آپ اس سنڈے کو آرہی ہیں ناں ہمارے ہاں؟''

''ہاں...... شاید آؤں، شاید نہیں۔'' گل نے چونک کراس کی طرف دیکھا اور سلاد کی پلیٹ ایک طرف رکھی۔

''گل آپی محبت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟''

''کیوں، تمہیں یہ اچانک محبت کے متعلق جاننے کی کیا ضرورت پڑگئی؟'' وہ پھر چونکی تھی۔

''دراصل آج کل فارغ ہوں ناں تو رومانی کہانیاں بہت پڑھتی ہوں۔ ان میں محبت کا اتنا ذکر ہوتا ہے کہ میں نے سوچا ذرا آپ سے اس کے متعلق پوچھوں۔'' بے پروائی سے کہہ کراس نے پاس پڑی سبزی کی ٹوکری سے ایک گاجر اٹھالی اور کھانے لگی۔

''دھولو یار...... لاؤ میں دھوکر دیتی ہوں۔'' گل نے اس کے ہاتھ سے گاجر لے لی اور سنک کی طرف مڑگئی۔

''تو آپ نے بتایا نہیں...... کیا خیال ہے آپ کا محبت کے متعلق؟''

''تم کس محبت کی بات کررہی ہو اصفی؟'' گل گاجر دھوکر مڑی تو اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

''وہی محبت جو کہانیوں اور افسانوں میں ہوتی ہے۔ بڑی زوردار قسم کی کہ آدمی محبت میں مرمرا ہی جاتا ہے۔''

''پتا نہیں، مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ یہ چاول کی پرات مجھے پکڑاؤ میں دھودوں۔'' گل نے چاول کی پرات پکڑلی۔ تب ہی منی پھپو فون سن کرآگئیں۔

''کس کا فون تھا امی؟'' گل نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

''مسز سلیم کا...... شام میں آنے کو کہہ رہی ہیں۔ تم ذرا ایک نظر ڈرائنگ روم پر ڈال لو گل بیٹا، یہ چاول میں بھگوتی ہوں۔''

''جی امی۔'' گل کا رنگ یک دم زرد ہوا تھا یا اصفیہ کو لگا تھا۔

''مسز سلیم کون ہیں پھپو؟'' اصفیہ نے گاجر کو دانتوں سے کاٹا۔

''میرج بیورو ہے ان کا...... گل کے رشتے کے لیے کہا ہوا تھا اسی سلسلے میں آرہی ہیں۔''

''اتنی جلدی پھپو؟''

"جلدی کہاں بیٹا۔" منی پھپھو کے لبوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "ماسٹر کیے بھی دوسال ہوگئے۔"

"لیکن......" اصفیہ کچھ کہتے، کہتے رک گئی اور باہر جاتی گل کے پیچھے ہی کچن سے باہر نکلی گئی۔ ڈرائنگ روم صاف ستھرا تھا۔ گل نے ٹیبل سے اَن دیکھی گرد کو صاف کیا۔

"گل آپی، آپ کو پتا ہے کچھ یہ جو لوگ آرہے ہیں کون ہیں، لڑکا کیا کرتا ہے؟"

"پتا نہیں۔" گل صوفے پر بیٹھ گئی۔

"آپ نے پوچھا بھی نہیں اگر وہ آپ کو پسند نہ آیا تو؟"

"تو کیا ہوا؟" گل نے اس کی طرف دیکھا اور اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھنے لگی۔ اصفیہ کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ ابا اور منی پھپھو کے متعلق وہ... پُریقین نہیں تھی لیکن گل آپی اور شیزی بھائی کے متعلق تو اسے یقین تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے محبت کی قسمیں نہ کھائی ہوں لیکن ایک دوسرے کے ساتھ کی تمنا تو ضرور کی ہوگی۔ گل آپی تو بالکل منی پھپھو کی کاپی تھیں وہی نزاکت، وہی حسن، وہی سلیقہ، وہی دھیما پن۔

"اگر شیزی بھائی کی شادی گل آپی سے ہوجائے تو کتنا اچھا ہو لیکن اماں...... پتا نہیں اماں کیوں......؟" وہ یک دم افسردہ ہوگئی تھی۔

"کیا سوچنے لگیں؟" گل نے پوچھا۔

"کچھ نہیں، سوچ رہی تھی آپ یہاں سے چلی جائیں گی تو پھپھو تو بالکل اکیلی ہوجائیں گی۔"

"تو رواحہ کی دلہن آجائے گی۔" گل نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"رواحہ بھائی کی دلہن؟" اسے لگا جیسے دل کے اندر کہیں کوئی چبھن سی ہوئی ہو۔ وہ جو ہمیشہ دوسروں کی محبتیں کھوجتی پھرتی تھی...... ابا کو ضرور منی پھپھو سے محبت ہوگی، شیزی بھائی ہنڈریڈ پرسنٹ گل آپی کو چاہتے ہیں۔ اسے اپنے دل کی خبر ہی نہ تھی کہ کب سے رواحہ کے لیے دھڑکے جاتا تھا۔ پھپھو کے گھر آتے ہی اس کی نظریں پہلے رواحہ کو ہی کھوجتی تھیں۔

"ہاں، ظاہری بات ہے اس کی شادی بھی تو ہونی ہے ناں ایک دن۔" گل نے جواب دیا تھا تو اس نے صرف سر ہلادیا۔ رواحہ بے حد سنجیدہ اور سوبر سا تھا۔ اپنی عمر کے لڑکوں سے بالکل مختلف اس نے کبھی اُسے چھچھوری بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔

دروازے پر بیل ہورہی تھی۔ گل اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بھی اس کے ساتھ ہی باہر آئی تھی شاید فراز ہو لیکن گل کے کالج سے چپڑاسی آیا تھا۔ گل اپنے کمرے میں کوئسچن پیپر لینے چلی گئی تو وہ پھر کچن میں آگئی۔

"منی پھپھو کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ شیزی بھائی اور گل آپی کی شادی ہوجائے؟" وہ زیادہ دیر تک بات اپنے دل میں نہیں رکھ سکتی تھی۔ "آپ کو پریشان بھی نہیں ہونا پڑے گا کہ لڑکا پتا نہیں کیسا ہوگا، سسرال والے کیسے ہوں گے؟"

"ہونے کو کیا نہیں ہوسکتا بیٹی...... بس نصیب کی بات ہے۔" اس کی بات پر ایک لمحے کو چونک کر انہوں نے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر جواب دے کر آلو تلنے لگی تھیں۔

"ہاں، ہونے کو تو سب کچھ ہوسکتا ہے۔ شیزی بھائی کی گل آپی سے شادی ہوجائے۔ فصی کی رواحہ سے نہیں...... بلکہ میری رواحہ سے فصی کی شادی تو کسی اپنے جیسے سڑو سے ڈاکٹر سے ہی ہونی چاہیے۔" اس نے سوچا اور اس کے دل میں گدگدی سی ہوئی۔ "میری شادی رواحہ بھائی سے، کتنا شاندار کپل ہوگا میرا اور رواحہ کا۔" وہ مسکرائی۔ "لیکن یہ رواحہ......" اس نے سر اٹھا کر

دیکھا اور کچن کے دروازے پر وہ رواحہ کو دیکھ کر ٹپٹائی۔ وہ جانے کب آیا تھا وہ یک دم کھڑی ہوگئی۔

"السلام علیکم رواحہ بھائی۔"

"وعلیکم السلام کیسی ہیں آپ؟" وہ نہایت شائستگی سے اسے آپ ہی سے مخاطب کرتا تھا۔

"اچھی ہوں۔" وہ رواحہ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔

"ارے بیٹا، تم جلدی آگئے، خیریت ہے ناں؟" منی پھپھو گھبرا کر انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"بس امی سر میں درد ہے۔ شاید فلو ہوگیا ہے سو چلا آیا۔"

"کچھ دوا وغیرہ لی؟" منی پھپھو نے پریشانی سے اس کی طرف دیکھا۔

"ابھی لے لوں گا، آپ چائے بھجوادیں پلیز۔" وہ جانے کے لیے مڑا اور پھر رک کر اصفیہ کی طرف دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے اس کی نظریں اصفیہ کی نظروں سے الجھیں پھر اس نے اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹالیں۔

"اور کیا ہورہا ہے آج کل؟"

"فارغ ہوں بس......"

"ناول اور افسانے پڑھے جارہے ہیں۔" تبھی گل چلی آئی۔

"کچھ اچھی اور مثبت چیزیں پڑھا کریں۔"

"مثلاً کیا؟" اس نے پھر رواحہ کی طرف دیکھا۔

"تاریخ، ادب، سیاست......"

"تاریخ صرف آنسو اور ظلم کی داستانیں...... ادب سے مراد اگر الٹی سیدھی نہ سمجھ میں آنے والی کہانیاں ہیں تو وہ میرے سر پر سے گزر جاتی ہیں۔ ایک دو بار جنگل میں اکیلا آدمی، بندر اور ناشپاتی پڑھنے کی کوشش کی تھی، تین دن تک سر میں درد ہوتا رہا اور رہی سیاست تو سیاست سے بری اور گندی چیز کوئی ہے ہی نہیں اور میں بری چیزیں نہیں پڑھتی۔" رواحہ کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اصفیہ آپ بالکل بھی نہیں بدلیں حالانکہ اب یونیورسٹی جانے والی ہیں۔"

"تو کیا مجھے بدل جانا چاہیے؟" بلا کی معصومیت سے سوال کیا گیا اور رواحہ کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

"میرا خیال ہے آپ ایسے ہی اچھی ہیں۔" اور لمبے، لمبے ڈگ بھرتا وہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور اصفیہ وہیں کھڑی مسکرا رہی تھی۔

☆☆☆

"گل آپی کی شادی ہورہی ہے۔" اس نے کھانے کی ٹیبل پر جیسے دھماکا کیا تھا۔ شیراز کے ہاتھ سے چمچ چھوٹ کر ٹیبل پر گرا۔

"اے ہے، اے کب؟ منی نے ذکر تک نہیں کیا مجھ سے۔ کہاں رشتہ کیا اور کب؟" اماں سب سے پہلے بولی تھیں۔ "دیکھا حسین صاحب منی ہمیں غیر سمجھتی ہے۔"

اصفیہ نے شیراز کی طرف دیکھا جو ساکت بیٹھا تھا۔ اس نے ابھی تک ٹیبل سے چمچ نہیں اٹھایا تھا۔ حسین محمود، اصفیہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"ابھی شادی نہیں ہورہی اماں...... بس کل کچھ خواتین آئی تھیں گل آپی کو دیکھنے اور ظاہری بات ہے گل آپی کو کوئی بھی ناپسند نہیں کرسکتا...... وہ ہیں ہی ایسی......اور پھر ظاہر ہے اس کے بعد شادی ہی ہونی ہے ناں۔" بے پروائی سے کہہ کر وہ اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔

"تھینک گاڈ!" حفصہ نے اپنی عینک درست کرتے ہوئے رکی ہوئی سانس لی۔

"یہ تمہیں کس بات پر خوشی ہوئی ہے، فصی کہیں تمہارا ارادہ تو نہیں تھا انہیں پروپوز کرنے کا؟" اس نے کن انکھیوں سے شیراز کی طرف دیکھا۔

"جو منہ میں آتا ہے بک دیتی ہو صفی، سوچ سمجھ کر بولا کرو۔" اماں نے گھر کا لیکن وہ سوالیہ نظروں سے حفصہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"وہ اس لیے کہ میرے پیپرز ہونے والے تھے اور اگر گل کی شادی میرے پیپروں میں ہوتی تو میں کیسے شریک ہو پاتی۔" حفصہ نے وضاحت کی۔

"ہو بھی سکتی ہے کیونکہ پھپو کہہ رہی تھیں کہ اگر لوگ اچھے ہوئے تو وہ جلدی شادی کردیں گی۔" آرام سے کہتے ہوئے اصفیہ نے کوفتوں کا ڈونگا اپنی طرف کھسیٹا۔ یک دم شیراز اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے بیٹا کہاں جارہے ہو؟"

"بھوک نہیں ہے اماں۔"

"میں نے تو تمہارے لیے یہ نرگسی کوفتے بنائے تھے۔"

"یہ مان لیں اماں، گل آپی اور منی پھپو جیسے نرگسی کوفتے آپ نہیں بنا سکتیں۔" اصفیہ نے چھیڑا۔

"بس بھی کر اب ان کا ذکر...... تجھے تو ان کے سوا کچھ اور سوجھتا ہی نہیں۔ پتا نہیں کیا گھول کر پلایا ہے انہوں نے تمہیں، اسی لیے تو کہتی ہوں یہ روز روز ان کے گھر کے چکر نہ لگایا کرو۔"

"روز، روز اماں؟" اصفیہ نے آنکھیں پھاڑیں۔ "آج پورے اٹھائیس دن بعد گئی تھی منی پھپو کی طرف اور وہ سب لوگ اتنے اچھے ہیں اتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے کہ بس جی چاہتا ہے اُدھر ہی رہ جاؤں۔"

"تو رہ جاتی اُدھر۔" اماں کے ساتھ اس کا ٹاکرا شروع ہوگیا تھا۔

"کیسے رہ جاتی اماں۔" اس نے معصومیت سے ان کی طرف دیکھا۔ "آپ کے بغیر میرا دل جو کہیں نہیں لگتا۔ یاد آنے لگتی ہے آپ کی۔"

"اچھا بس مکھن نہ لگا۔" اماں کا موڈ ٹھیک ہوا تھا لیکن طنز کرنے سے پھر بھی باز نہ آئی تھیں۔

"حسین صاحب یہ کوفتے لیں یا آپ کو بھی منی کے ہاتھ کے کوفتے یاد آرہے ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" حسین محمود بڑبڑا کر اپنی پلیٹ میں کوفتے ڈالنے لگے تھے اور اصفیہ سوچ رہی تھی کیسے اور کس طرح وہ اماں کو رضامند کرے کہ وہ شیری بھائی کی شادی گل آپی سے کردیں۔ اماں کی دونوں بھانجیاں خیر سے منسوب تھیں سو اس طرف سے تو کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن اماں کو راضی کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا پھر بھی کوشش کرلینے میں کیا حرج تھا سو کھانا کھا کر ابا اپنے کمرے میں گئے تو وہ بھی اماں کو کچن میں مصروف دیکھ کر ان کے پاس چلی گئی۔ وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔

"ابا جانی ایک بات پوچھوں؟" ان کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس نے ڈائریکٹ بات کرنے کا سوچا تھا۔ کتاب بند کرکے وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ یہ گل کے رشتے کی بات میں کتنی حقیقت ہے؟"

"سو فی صد۔"

"ہوں۔" انہوں نے ایک گہری سانس لی تھی۔ "اب بتاؤ کیا پوچھنا ہے؟"

"شیزی بھائی کی شادی گل آپی سے کیوں نہیں ہوسکتی بھلا؟"

"شاید تمہاری اماں کو پسند نہیں ہے۔" حسین محمود لمحے بھر کو خاموش ہوگئے۔

"کیوں، گل آپی جیسی لڑکی تو انہیں پورے پاکستان میں نہیں ملے گی۔"

"یہ اب تم پاکستان کی لڑکیوں کے ساتھ زیادتی کررہی ہو صفی۔" انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"ابا جانی میں سیریس ہوں بہت...... آخر کہیں نہ کہیں تو شیزی بھائی کی شادی ہونی ہی ہے ناں تو پھر

گل آپی سے کیوں نہیں؟"

"اس لیے کہ وہ منی کی بیٹی ہے اور منی کبھی تمہاری اماں کو اچھی نہ لگی۔" حسین محمود کے لہجے میں دکھ بولتا تھا۔ "ایک موہوم گمان ایک نامکمل شک نے ہمیشہ تمہاری اماں کو بدگمان رکھا حالانکہ......" وہ خاموش ہوگئے۔

"ابا پلیز۔" اس نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ "آپ کوشش تو کریں.... شاید اماں مان جائیں۔"

"نہیں۔" انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ نہیں مانیں گی، میں جانتا ہوں انہیں اور بات کرکے خواہ مخواہ میں منی کے لیے ان کے دل میں اور نفرت نہیں پیدا کرنا چاہتا اور پھر جانے وہ کیا، کیا کہہ دیں گی اور منی کے لیے زندگی اور مشکل ہوجائے گی پہلے بھی اپنا گھر ہوتے ہوئے وہ کرایے کے گھر میں رہ رہی ہے۔"

"لیکن ابا شیزی بھائی گل آپی کو پسند کرتے ہیں۔" بالآخر اس نے وہ سچ اگل دیا جس کی وہ گواہ تھی۔ حسین محمود نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر جیسے شیراز کا ٹیبل سے اٹھ جانا ان کے تصور میں آیا۔

"پلیز ابا۔" اس نے ان کا بازو دبایا۔ "اماں نے کسی بھانجی کو تو بیاہنا نہیں ہے باہر سے ہی لائیں گی بہو تو پھر گل آپی کتنی خوب صورت ہیں، کتنی اچھی ہیں، ہر فن مولا اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ہم سب سے محبت کرتی ہیں۔"

"کیا شیزی نے تم سے کچھ کہا؟" انہوں نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ تھی۔

"انہوں نے بھلا مجھے کیا کہنا ہے، مجھے خود پتا ہے۔ میری نظر بہت تیز ہے ابا اور مجھے تو یہ بھی پتا ہے کہ......" منی پھپو اور ان کی محبت کا انکشاف کرتے کرتے اس نے زبان دانتوں تلے داب لی۔ حسین محمود نے پُرسوچ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"شیراز سے کہو ناں وہ خود بات کرلے اماں سے۔"

"ٹھیک ہے کہہ دوں گی لیکن آپ بھی بات کریں ناں۔ شیراز بھائی اماں سے ضد نہیں کرسکتے، مجھے پتا ہے ہوسکتا ہے شیزی بھائی کی شادی کسی اچھی لڑکی سے ہوجائے لیکن وہ گل آپی تو نہیں ہوں گی ناں اور گل آپی کو بھی منی پھپو کی طرح نجیب پھوپا جیسا شاندار شخص مل جائے لیکن وہ شیراز بھائی نہیں ہوں گے ناں جس طرح نجیب پھوپا کبھی حسین محمود نہیں ہوسکتے اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود زندگی تو گزر ہی جاتی ہے شاید اچھی ہی آپ کی طرح لیکن خلا تو رہتا ہے ناں...... کسک تو ختم نہیں ہوتی کہ وہ ایک شخص اگر ہوتا تو زندگی اور بھی خوب صورت ہوتی۔" وہ اپنی بات کرکے رکی نہیں تھی اور حسین محمود اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہے تھے۔

"یہ اصفیہ کیا کہہ گئی ہے۔" وہ ان سے ... بے تکلف تھی ہر بات دھڑلے سے کہہ دیتی تھی لیکن یہ اس طرح کی بات...... کیا کہہ گئی تھی وہ اتنی گہری نظر اتنا عمیق مشاہدہ...... زندگی تو گزر ہی گئی تھی اچھی ہی گزر رہی تھی۔ زہرا نے انہیں بہت سکھ دیے تھے۔ ہر طرح کا خیال رکھا تھا۔ ان کے بچوں کی اچھی تربیت کی کبھی انہیں پریشان نہیں کیا لیکن پھر بھی...... پھر بھی وہ منی تو نہیں تھی ناں۔ ممتاز جہاں تو نہیں تھی اور شاید نہیں بلکہ یقیناً انہوں نے منی سے محبت کی تھی۔" پہلی بار انہوں نے خود سے بھی اعتراف کیا تھا اور محبت کھو جانے کا اسے نہ پانے کا دکھ آج بھی دل کے کسی کونے میں چٹکیاں بھرتا تھا...... اور آنکھوں میں مرچیں سی بھر جاتی تھیں۔ وہ ایک دم بیڈ سے اترے تھے۔

اماں کے پاس کچن میں کھڑی اصفیہ نے انہیں شیراز کے کمرے میں جاتے دیکھا تو اس کے

لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ صافی اٹھا کر دھلے برتن خشک کرنے لگی۔

☆☆☆

گل کی شادی ہورہی تھی اور وہ ہفتہ بھر پہلے سے ہی منی پھپو کی طرف آگئی تھی۔

”منی پھپو اکیلی ہیں اور گل آپی کی کوئی بہن نہیں ہے اور خالہ زاد، ماموں زاد بہن بھی سات سمندر پار۔“

”بس تو ہے ایک اُن کی سگی۔“ اماں کا قطعی موڈ نہیں تھا کہ وہ اتنے دن پہلے جائے لیکن اسے تو جانا ہی تھا۔

”ابا جانی مجھے جانا ہے منی پھپو کی طرف۔“ وہ اماں سے اچھی خاصی ناراض تھی۔ ”مجھ سے شیزی بھائی کی شکل نہیں دیکھی جاتی۔ پتا ہے راتوں کو جاگ، جاگ کر سگریٹ پیتے ہیں اور سگریٹ پی، پی کر جاگتے ہیں۔“ اس کا اپنا مخصوص انداز تھا بات کرنے کا۔

حسین محمود بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئے تھے۔ شیراز سے ان کی کیا بات ہوئی تھی یہ تو اصفیہ کو معلوم نہیں تھا لیکن اماں کے ساتھ جو مذاکرات ہوئے وہ سب کے علم میں تھے حتیٰ کہ حفصہ نے بھی کتابوں سے سر اٹھا کر تائید کی تھی کہ گل سے اچھی لڑکی کوئی اور نہیں ہوسکتی لیکن اماں کی نہ ہاں میں نہیں بدل سکی تھی۔

”جدھر چاہے لے چل شیزی سر کے بل چل کر جاؤں گی لیکن منی کی بیٹی کو اپنے گھر نہیں لاؤں گی بس۔“ جانے کیسی ضد تھی، یہ کیسا جلاپا تھا۔ اصفیہ کی سمجھ سے باہر تھا۔

”ٹھیک ہے اماں جیسے آپ کی مرضی۔“ شیزی نے ہتھیار ڈال دیے تھے اور گل کی شادی طے پاگئی تھی۔ لڑکا انجینئر تھا۔ سعودیہ میں جاب کرتا تھا۔ ہینڈسم تھا اور خاندان بھی معزز لیکن پتا نہیں کیوں اصفیہ کو لگتا جیسے گل کی آنکھوں کی قندیلیں بجھ سی گئی ہیں۔ وہ بیگ میں کپڑے رکھ کر اماں کو بتانے آئی تھی۔

”اماں میں فراز کے ساتھ جارہی ہوں منی پھپو کی طرف ولیمے تک وہاں رہوں گی۔“

”دیکھا حسین محمود!“ اماں بے بس ہوکر انہیں ہی مخاطب کرتی تھیں۔ ”لگتا ہے جیسے میں نے نہیں منی نے جنم دیا ہوا ہے۔“ منی پھپو اور نجیب پھوپا خود آئے تھے دعوت دینے۔ منی پھپو ہمیشہ کی طرح بہت باوقار اور خوب صورت لگ رہی تھیں۔ نجیب انکل نے بہت محبت اور اصرار سے چند دن پہلے آنے کو کہا تھا۔ حسین محمود نگاہیں جھکائے بیٹھے رہے تھے۔

”بھائی صاحب بیٹی کی شادی ہے، بن بلائے بھی آجاتے۔“ اور اماں ان کی انکساری پر جز بز ہوتی رہی تھیں۔

”اصفی، صفی بیٹا کہاں ہو؟“ منی پھپو نے اسے کچن سے آواز دی تو وہ جو بہت دیر سے لاؤنج میں صوفے پر آنکھیں موندے بیٹھی تھی چونک کر سیدھی ہوگئی۔

”جی پھپو۔“

”بیٹا یہ اپنے پھوپا اور رواحہ کو چائے دے آؤ۔“ اس نے ٹرے پھپو سے لی۔

”یہ لوگ کہاں ہیں؟“

”رواحہ کے کمرے میں ہیں۔ ارفع ابھی چائے کا کہہ کر گیا تھا۔ یہ گل کیا کررہی ہے؟“

”ان کے سر میں درد ہے پھپو، لیٹی ہوئی ہیں۔“ اس نے ان کے ہاتھ سے ٹرے لیتے ہوئے سوچا۔

”اور جب آپ کی شادی ہورہی ہوگی نجیب انکل سے تو شاید آپ کے سر میں بھی یونہی درد ہوتا ہوگا۔“ اس نے محسوس کیا تھا کہ گل بہت خاموشی سے ہر کام کررہی تھی اس کے چہرے اور آنکھوں سے وہ خوشی نہیں پھوٹتی تھی، کسی روبوٹ کی طرح وہ سب کام کیے جاتی تھی۔

رواحہ مہمانوں کی لسٹ چیک کررہا تھا اور ارفع کارڈوں پر نام لکھ رہا تھا۔

”چائے۔“ اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھی تو رواحہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور اس کی نظریں ایک لمحے کے لیے اصفیہ کے چہرے پر ٹھہریں۔ وہ اسے بے حد سنجیدہ اور اداس سی لگی اور ایسا پہلی بار تھا کہ وہ اسے اتنی سنجیدہ نظر آئی تھی۔

”کیا بات ہے اصفی، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ اس نے چائے کا کپ انکل نجیب کو پکڑاتے ہوئے رواحہ کی طرف دیکھا۔

”ہاں ٹھیک ہوں۔“

”اچھا پتا نہیں کیوں مجھے لگا......“ رواحہ نے کپ اٹھالیا اور ارفع کی طرف بڑھایا۔

”پھپو کہہ رہی تھیں مہندی کے فنکشن میں زیادہ مہمانوں کو مت بلائیے گا۔“

”ہاں، میں یہ نظر ثانی کررہا ہوں۔“ انکل نجیب نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لسٹ کی طرف اشارہ کیا۔

”کیا آپ گھر والوں کے لیے کچھ اداس ہیں اصفی تو میں کچھ دیر تک ارفع کے ساتھ کارڈ دینے جارہا ہوں آپ بھی چلیں۔ مل کر آجائیے گا۔“ رواحہ کو اس کی سنجیدگی ہضم نہیں ہورہی تھی۔ وہ جس روز سے آئی تھی کچھ چپ، چپ سی لگی تھی اسے ورنہ اس کی اوٹ پٹانگ باتیں...... انداز اور ہنسی پورے گھر میں گونجتی رہتی تھی۔ ارفع کے ساتھ تو اس کی ٹھیک ٹھاک جملے بازی ہوتی تھی۔

”میں گھر والوں کے لیے اداس نہیں ہوں۔ ابا اور فراز کل آئے تھے۔ اماں بھی شاید کل یا آج چکر لگائیں گی قصی کے ساتھ۔“

”اچھا۔“ رواحہ نے سر جھکا لیا تھا اور گھونٹ، گھونٹ چائے پینے لگا۔ ارفع کا کوئی دوست آگیا تھا وہ چائے یونہی چھوڑ کر باہر چلا گیا تھا۔ وہ ارفع کی جگہ پر بیٹھ گئی۔

”لائیں میں کارڈ لکھتی ہوں۔ میری رائٹنگ ارفع سے اچھی ہے۔“ ارفع نے جاتے جاتے مڑ کر اسے دیکھا تھا۔

”ہینڈ رائٹنگ کا کمپیٹیشن نہیں ہورہا۔“

”لیکن کارڈ پر خوب صورتی سے لکھا ہونا چاہیے۔ یہ تو نہیں کہ لکھا عباد جائے لوگ پڑھیں عناد۔“

”بات کرنے کا اسٹائل تو کچھ کچھ پرانا تھا لیکن پھر بھی کچھ تھا وہ پہلے جیسی نہیں لگ رہی۔“ رواحہ نے ایک بار پھر سوچا اور کچھ دیر بعد وہ پھر پوچھ رہا تھا۔

”اصفی کوئی مسئلہ ہے آپ کو؟“

”ہاں ہے تو۔“ اصفیہ کو شرارت سوجھی۔

”مجھے بتائیں...... شاید میں آپ کی مدد کرسکوں۔“ اس نے لسٹ اٹھا کر باہر جاتے نجیب صاحب کی طرف دیکھا۔

”کیا واقعی آپ میری مدد کریں گے؟“

”ہاں کیوں نہیں...... اگر میرے اختیار میں ہوا اور میں کرسکا تو۔“ رواحہ نے پورے یقین سے کہا۔

”شیور؟“ رواحہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے ماتھے پر بکھر آنے والے بالوں کو بائیں ہاتھ سے پیچھے کیا اور ہاتھ میں پکڑا بال پین ہونٹوں میں دباتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

”دراصل......دراصل......“ اس کی نظریں جھک گئیں۔ ”مجھے محبت ہوگئی ہے۔“

رواحہ کا منہ کھل گیا۔

”یہ نہیں پوچھیں گے کس سے؟“ اس کی آنکھیں بے تحاشا چمک رہی تھیں۔

”کس سے؟“ اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

”آپ سے۔“ اس نے کہا اور جھپاک سے

باہر نکل گئی۔ رواحہ حیرت سے چائے کا خالی کپ ہاتھ میں پکڑے بیٹھا تھا۔

''یہ کیا کہہ گئی تھی وہ......'' پھر اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ ''اب اور کیا کہتی وہ۔ میں جو خواہ مخواہ بار بار پوچھے جا رہا تھا۔ شرارتی تو وہ تھی ہی لیکن یہ اس طرح کی شرارت...... کاش یہ شرارت نہ ہو۔'' دل کے اندر سے ایک آواز آئی اور وہ خود ہی شرمندہ ہو گیا۔

''میں بھی بس۔'' اس نے خالی کپ ٹیبل پر رکھا اور باقی ماندہ کارڈز اٹھا کر لکھنے لگا۔ ارفع اور نجیب صاحب ہال والوں کے پاس چلے گئے تھے۔

وہ کارڈ لکھنے کے بعد اٹھا تا کہ گل کی فرینڈز کا پوچھ کر کارڈز لکھنے کا کام آج ختم کر دیں لیکن کمرے کے دروازے کے باہر ہی ٹھٹک کر رک گیا۔ اندر سے اصفیہ کے اپنے مخصوص انداز میں بولنے کی آواز آرہی تھی۔

''آپ میری گل آپی ہیں اور میرا خیال تھا آج کچھ دیر پہلے تک کہ اس گھر میں منی پھپو کے بعد آپ مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتی ہیں لیکن غلط...... بالکل غلط آپ سے زیادہ رواحہ بھائی مجھ سے محبت کرتے ہیں یعنی کہ اتنے دنوں سے آپ نے مجھے دیکھا ہی نہیں حالانکہ میں اتنی اداس اور سنجیدہ تھی اور رواحہ بھائی نے دیکھ لیا اور پوچھ بھی لیا...... یہ ہوتی ہے محبت کہ اپنوں کے دل کا حال ان کے چہروں سے جان لیا جائے۔'' باہر کھڑے رواحہ کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''سوری اصفی، میں دراصل...... میرے سر میں اتنا درد تھا ناں کہ میرا دھیان ہی نہیں گیا تمہاری طرف...... تم کیوں اداس ہو میری جان بتاؤ۔''

''میری اداسی کی کئی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑی اور اہم وجہ یہ ہے کہ آپ کی شادی شیزی بھائی سے نہیں ہو رہی اور آپ جانتی ہیں ناں کہ میں آپ سے کتنی محبت کرتی ہوں اور یہ میری کتنی شدید خواہش تھی کہ آپ...... لیکن اصل بات یہ ہے کہ شیزی بھائی بھی آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔'' اور رواحہ دروازے پر دستک دیتے، دیتے رک گیا۔

''اصفی پلیز کیا فضول بات کر رہی ہو۔'' گل کی گھبرائی ہوئی سی آواز آئی تھی۔

''یہ فضول بات نہیں ہے گل آپی، مجھے شیزی بھائی پر بھی غصہ ہے۔ وہ بزدل ہیں ناں اماں سے اپنی بات نہیں منوا سکے اور کسی بزدل آدمی کو تو کبھی کسی سے محبت ہی نہیں کرنی چاہیے۔''

''اصفی...... صفی پلیز آہستہ بولو۔'' گل اسے بولنے سے روک رہی تھی لیکن اس کی زبان چل پڑی تھی اب اور دل کی ساری باتیں کیے بغیر چپ ہونے والی نہیں تھی۔

''چپکے، چپکے راتوں کو ٹہل، ٹہل کر سگریٹ پھونکنے سے فائدہ...... اب بھلا سگریٹ پھونکنے سے کیا ہوگا بس اماں کے سامنے ذرا سا زبان ہلا دیتے، مرنے کی دھمکی دے دیتے اور یہ نہیں تو چار دن کے لیے بھوک ہڑتال ہی کر لیتے سچ مچ کی بے شک نہ کرتے چھپ، چھپ کر کچھ کھا لیتے بھلے۔'' رواحہ بے اختیار مسکرایا۔

''یہ لڑکی بھی بس اپنی قسم کی نرالی ہی ہے۔''

''اماں نے تو یوں پگھل جانا تھا لمحوں میں۔'' اس نے چٹکی بجائی تھی۔ ''جلدی میں ایک دن ناشتہ نہ کریں تو اماں سارا دن بولائی، بولائی پھرتی ہیں۔ ہائے میرا بچہ بغیر ناشتے کے چلا گیا۔ چاہے بچے نے آفس میں پوریاں چنے کھا کر ناک تک پیٹ بھر لیا ہو۔ میں نے تو مشورہ بھی دیا تھا کہ کھانا پینا چھوڑ دیں، رات کو سب کے سونے کے بعد میں انہیں کھانا پہنچا دوں گی لیکن انہیں ذرا ایکٹنگ کرنا ہو گی لیکن وہ تو اس میں بھی فیل۔'' اس کی گاڑی بغیر رکے چل رہی تھی۔

''اصفی پلیز۔'' گل پھر منمنائی تھی۔

''ایک تو گل آپی آپ بھی کسی کام کی نہیں ہیں لیکن اگر مجھے کسی سے محبت ہو بھی گئی کسی سے کیوں رواحہ بھائی سے ہی ہو گئی تو میں شیزی بھائی کی طرح بالکل بھی بزدل نہیں ہوں، میں تو زمین آسمان ایک کر دوں گی بلکہ مجھے لگتا ہے مجھے کچھ، کچھ محبت ہو گئی ہے رواحہ سے۔''

''اصفی......'' گل کی آواز اب کے قدرے بلند تھی۔ ''بڑے ہیں تم سے کیا رواحہ، رواحہ کہہ رہی ہو۔''

''محبت میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہوتا گل آپی۔'' اس نے فلسفہ بھگارا تھا۔ ''اور سنیں گل آپی، مجھے سچ مچ رواحہ سے محبت ہو گئی ہے۔ ابھی، ابھی میرا دل رواحہ کے نام پر زور سے دھڑکا ہے۔ جب کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو اس کے نام پر دل یونہی زور، زور سے دھڑکتا ہے اور میں تو...... اگر مجھے میری محبت نہ ملی تو مر جاؤں گی...... جیوں گی نہیں پھر۔''

''کیا خودکشی کر لو گی؟'' گل کے لہجے میں نہ جانے کیوں تلخی تھی۔ ''اگر تمہیں سچ مچ رواحہ بھائی سے محبت ہو گئی تو تمہاری اماں تو کبھی تمہاری شادی رواحہ سے نہیں کریں گی بھلے تم زمین آسمان ایک کر دو اور شیزی کی طرح بزدلی نہ دکھاؤ تب بھی۔''

''تو میں نے کہا ناں میں مر جاؤں گی...... خودکشی نہیں کروں گی۔ حرام موت کیوں مروں خود ہی دل بند ہو جائے گا میرا۔''

''اچھا بکو مت اور فضول باتیں مت کرو میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔''

''اچھا میں آپ کا سر دباتی ہوں۔'' اس کی آواز مدھم ہوئی تھی۔

''یہ آپ کا سر درد گل آپی، سچ میں...... شیزی بھائی اور آپ کا مجھے بہت دکھ ہے۔ کاش میں آپ کے لیے کچھ کر سکتی۔'' اس کی آواز بھرا گئی تھی پھر شاید وہ رونے لگی تھی وہ ہر دم ہنستی مسکراتی لڑکی رو رہی تھی۔ رواحہ وہاں سے ہی واپس پلٹ گیا۔ وہ بچپن سے ہی اسے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ اس گھر میں ہوتا تھا تب سے، وہاں وہ سارا وقت منی پھپو کی گود میں گھسی رہتی تھی۔ جب ذرا بڑی ہوئی تب بھی وہ اسے اپنے ہی حصے میں دیکھتا تھا۔ کبھی گل کے پاس، کبھی اماں کے پاس اور کبھی ارفع سے ہنسی مذاق کرتے پھر جب وہ وہاں سے آرہے تھے تو وہ بے تحاشا روئی تھی۔ وہ چودہ پندرہ سال کی لڑکی اس کا ہاتھ پکڑے رو رہی تھی۔

''منی پھپو سے کہیں ناں نہ جائیں۔'' پھر وہ ان سے لڑی بھی تھی۔

''یہ نجیب انکل گاڑی کیوں نہیں خرید لیتے تا کہ کالج آسانی سے جا سکیں۔'' اور نئے گھر میں آکر کتنے ہی دن تک وہ اسے مس کرتا رہا تھا اور شاید اس نے صرف اسے ہی مس کیا تھا حالانکہ حفصہ، شیزی اور فراز سب سے ہی اس کی دوستی تھی۔

''اس نے اسے ہی، صرف اسے ہی کیوں مس کیا تھا؟'' آج اتنے سالوں بعد وہ خود سے پوچھ رہا تھا اور دل تھا کہ خوشگوار انداز میں دھڑکے جا رہا تھا۔

وہ یہاں اس گھر میں بھی دس پندرہ دن بعد آجاتی تھی اور پھر سارے گھر میں دھڑلے سے گھومتے ہوئے وہ اونچی آواز میں باتیں کرتی رہتی۔ اماں کی بہنوں کی، بھانجیوں کی اور ان پر اس کے کمنٹس اسے بے اختیار ہنسی آتی تھی۔ وہ سچ مچ عجیب تھی۔ دل کی بات کہتے ذرا نہ ڈرتی تھی۔

''منی پھپو آپ دراصل سسرالی رشتے دار ہیں ناں، اس لیے اماں کے دل میں تھوڑا سا جلاپا ہے ورنہ اماں دل کی بری نہیں ہیں۔ قصور ہمارے معاشرے کا ہے جہاں سسرالی رشتے دار بے چاری لڑکی کو عفریت بنا کر دکھائے جاتے ہیں۔'' وہ ہمیشہ ہی اس کی باتوں سے محظوظ ہوتا تھا لیکن آج......

''یہ آج اس نے کیسی بات کی تھی۔ کیا وہ سچ مچ...... نہیں یہ غلط ہے۔ زہرا مامی تو کبھی نہیں اور یہ وہ کیا کہہ رہی تھی کہ شیزی...... کمال ہے مجھے کبھی اندازہ ہی نہ ہوا۔'' وہ سر جھٹک کر اٹھا اور یونہی ایک بار پھر مہمانوں کی فہرست کا جائزہ لینے لگا لیکن مہمانوں کے نام ہر بار... ذہن سے نکل جاتے تھے۔

''ارے ابا کے دوست خلیل صاحب کا نام تو رہ گیا۔'' وہ پھر سے فہرست دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد اسے پھر کوئی نام یاد آجاتا اور وہ پھر نئے سرے سے فہرست دیکھنے لگتا۔ تنگ آکر اس نے فہرست رکھ دی۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ وہ بار بار روپ بدل، بدل کر اس کے سامنے آکھڑی ہوتی تھی۔ سروقد، گلابی رنگت، دلکش سراپا، ہونٹ، آنکھیں وہ پوری کی پوری خوب صورت تھی۔ سب کہتے تھے اس میں منی پھپو کی بہت شباہت ہے۔ اس کے وقت زہرا بیمار بھی بہت رہی تھیں اور منی ہر وقت ان کی خدمت کے لیے موجود رہتی تھیں۔ کوئی بچپن میں کہہ دیتا کہ صفی تو منی پر گئی ہے تو زہرا فوراً کہتیں۔

''ہر وقت جو منہ کے سامنے رہتی تھی تو اور کس پر جاتی۔'' رواحہ کو یاد تھا بچپن میں کبھی کبھی وہ امی کی گود میں سر رکھ کر لیٹ جاتی تھی۔

''دیکھیں منی پھپو میں اماں کے بجائے آپ کی بیٹی زیادہ لگتی ہوں۔ آپ یوں کریں کل آپی اماں کو دے دیں اور مجھے آپ لے لیں۔''

''کاش ایسا ہوسکتا۔'' رواحہ کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی، افسردہ سی مسکراہٹ اور وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔ یہ طے تھا کہ آج وہ کوئی کام ڈھنگ سے نہیں کر پائے گا۔ یہ اس لڑکی نے اس کے دل میں کیسی ہلچل مچادی تھی۔ وہ باہر نکلا تو وہ لاؤنج میں بیٹھی کپڑے استری کر رہی تھی اور منی پھپو انہیں پیک کرتی جاتی تھیں۔ پاس ہی سر جھکائے گل بیٹھی تھی۔

''تو کیا گل بھی......؟ لیکن نہیں لڑکیاں گھر سے رخصت ہوتے وقت اداس ہی ہوتی ہیں۔'' رواحہ نے گل سے نظریں ہٹا کر اصفیہ کی طرف دیکھا وہ انہیں ہی دیکھ رہی تھی نظریں ملتے ہی اس کے لبوں پر محجوب سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''یہ محجوب سی مسکراہٹ، یہ شرمیلا تبسم۔'' اسے لگا جیسے یہ مسکراہٹ یہ تبسم اس کے دل میں ہی کہیں ٹھہر گیا ہے ہمیشہ کے لیے۔ ''یہ لڑکی تو پوری کی پوری جادوگرنی ہے۔'' وہ تیزی سے پلٹا۔ اسے لگا جیسے وہ کچھ دیر اور کھڑا رہا تو اس کا دل اس کے ہاتھوں سے نکل جائے گا اور دل تو کب کا ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔

ہر فنکشن کے لیے وہ بڑے دل سے تیار ہوئی تھی اور اس کی نظروں نے ہر لحہ اسے کھوجا تھا اور ہر بار ہی جیسے وہ سحر زدہ سا ہو گیا تھا اور یہ جو اس نے کہا تھا کہ اسے اس سے محبت ہو گئی ہے تو وہ بھی یہ بات اس سے کہنا چاہتا تھا کہ اسے بھی اس سے محبت ہو گئی ہے لیکن کہہ نہیں پا رہا تھا یا کہنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس لمحے سے ڈرتا تھا کہ وہ اسے کہیں کھو نہ دے۔ اسے یقین تھا کہ زہرا مامی کبھی نہیں مانیں گی سو وہ ہر لحہ اس کی محبت کی نفی کرتا رہتا۔

''نہیں رواحہ نجیب، اصفیہ حسین محمود سے محبت نہیں کرتا۔ میں اس سے محبت کر ہی نہیں سکتا۔ اس جیسی غیر سنجیدہ اور چلبلی لڑکی سے...... میری محبت تو اس لڑکی کے لیے ہوگی جو بہت باوقار، بہت سوبر سی ہوگی۔ ٹھہر ٹھہر کر دھیمے لہجے میں بات کرتی ہو۔'' لیکن وہ اس کے دل میں براجمان مسکراتی رہتی بڑے یقین سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتی۔

''آپ میرے علاوہ اور کسی سے محبت کر ہی نہیں سکتے رواحہ نجیب۔'' تب تھک کر اس نے اصفیہ کی محبت کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور خود سے اعتراف کیا۔

''ہاں، میں اصفیہ محمود حسین سے محبت کرتا ہوں۔ اس دن سے نہیں جب اس نے کہا تھا کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں...... بلکہ اس سے بھی بہت پہلے سے جب...... جب وہ تین سال کی تھی یا شاید چار سال کی اور امی اس کے بالوں میں ربن لگاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ تم سچ مچ میری بیٹی ہو صفی اور تم ہمیشہ میرے پاس رہو گی میرے رواحہ کی دلہن بن کر۔'' اور شاید تب سے ہی اس کے ذہن و دل میں وہ بس گئی تھی حالانکہ اس کے بعد منی پھپو نے کبھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا اور اس نے بھی سوچا تھا کہ وہ کبھی اس محبت کا اظہار نہیں کرے گا۔

اس روز وہ بڑے عرصے بعد حسین محمود کے گھر گیا تھا۔ منی پھپو نے کہا تھا بجلی گیس وغیرہ کے بل آئے ہوئے ہوں گے ارفع، آج جا کر لے آنا تو اس نے خود ہی کہہ دیا تھا۔

''امی میں لے آؤں گا مجھے اُدھر ہی جانا ہے۔''

''حسین بھائی کا بھی پتا کر آنا۔ صفی پرسوں آئی تھی تو بتا رہی تھی کہ انہیں انجائنا کا اٹیک ہوا ہے۔''

وہ آتی رہتی تھی پہلے کی طرح ہفتہ دس دن بعد لیکن وہ جان بوجھ کر اس کے سامنے نہیں آتا تھا۔ کبھی اتفاق ہو بھی جاتا تو نظریں نہ اٹھاتا لیکن آج وہ اسے جی بھر کر دیکھنا چاہتا تھا۔ دل بے اختیار مچل اٹھا تھا اور کبھی کبھی دل کی خواہش یوں بھی پوری ہو جاتی ہیں کہ بندہ حیران رہ جاتا ہے۔ وہ گھر میں اکیلی تھی اور برآمدے میں تخت پر بیٹھی جلدی، جلدی کھانا کھا رہی تھی۔ وہ ابھی، ابھی شاید یونیورسٹی سے آئی تھی اور پاس ہی اس کا شولڈر بیگ پڑا ہوا تھا۔

''ارے آپ!'' اسے دیکھتے ہی اس کی آنکھیں دمک اٹھی تھیں۔ ''آئیں کھانا کھائیں۔ صبح دیر ہو گئی تھی اس لیے بغیر ناشتا کیے... ہی چلی گئی تھی۔ یہ آلو کی بھجیا اور سبز مرچوں کا اچار بہت مزے کا ہے۔ دراصل اماں وغیرہ کوئی بھی گھر پر نہیں ہے۔ میں یہاں ہی بیٹھ گئی۔ یہاں گرمی نہیں ہے ناں اندر تو بہت گھٹن ہو رہی ہے۔ یو پی ایس بھی کام نہیں کر رہا۔'' تیز تیز بولتے ہوئے اس نے ٹرے اس کی طرف کھسکائی۔ اس کے رخسار سرخ ہو رہے تھے۔

''وہ...... میں......'' رواحہ کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔ پیشانی پر ننھے ننھے پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ ''سب لوگ کہاں گئے ہیں؟''

''اماں، ابا اور فصی تو شیزی بھائی کے لیے لڑکی دیکھنے گئے ہیں۔ دراصل اماں چاہتی ہیں کہ فصی کے ساتھ ہی شیزی بھائی کو بھی بھگتا دیں۔'' فصی کی بات بچپن سے ہی اپنے ماموں زاد بھائی سے طے تھی جو امریکا میں تھا اور فصی کی طرح ڈاکٹر تھا۔ ''اور شیزی بھائی آفس سے لیٹ آتے ہیں اور فراز ابھی اکیڈمی میں ہوگا۔''

''آپ لڑکی دیکھنے کیوں نہیں گئیں؟''

''میں...... میرا دل ایک بار ہی کسی کو پسند کرتا ہے بار بار نہیں۔ گل آپی نہیں تو کوئی بھی آجائے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''اچھا میں پھر چلتا ہوں حسین ماموں کو میرا سلام دے دیجیے گا۔''

''کیوں، آپ کو مجھ سے ڈر لگتا ہے کیا؟'' اس نے رواحہ کی طرف دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''نہیں...... بھلا میں آپ سے کیوں ڈروں گا صفی۔'' رواحہ بوکھلایا۔

''اس لیے کہ کہیں آپ کو مجھ سے محبت نہ ہو جائے۔'' وہ بڑے آرام سے کہہ رہی تھی اور لبوں پر شریری مسکراہٹ تھی۔

''یہ کیا بات ہوئی بھلا؟'' وہ ٹپٹایا۔

''یہی بات ہے، آپ محبت سے ڈرتے ہیں کہ کہیں محبت بچھڑ نہ جائے لیکن محبت تو اگر ہونی ہوتی ہے تو آپ کتنا بھی اس سے بھاگیں وہ ہو جاتی

ہے۔"

"میرا خیال تھا اصفی آپ یونیورسٹی جا کر کافی میچور ہوگئی ہوں گی لیکن آپ اب بھی ایسی ہی باتیں کرتی ہیں۔"

"ہاں، میں میچور ہوگئی ہوں لیکن محبت کا بھلا میچور ہونے سے کیا تعلق؟" وہ آنکھوں میں معصومیت لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ خوب صورت آنکھوں میں جیسے ہزاروں جگنو دمک رہے تھے اور لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی۔ چہرہ گلنار ہو رہا تھا۔ وہ مبہوت سا اسے دیکھنے لگا گرد و پیش سے بے خبر جیسے زمان و مکاں کی وسعتیں سمٹ گئی تھیں۔ بس وہ تھا اور اصفی۔ بڑی دیر بعد اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

"ہاں میں محبت کے کھو جانے سے ڈرتا ہوں۔ میں خود کو ہر آن جھٹلاتا ہوں اصفی کہ میں نے محبت نہیں کی، نہیں کرسکتا...... لیکن میرا دل مجھ پر ہنستا ہے مگر میں تم سے......" وہ لمحے بھر کے لیے خاموش ہوا تھا۔ "اصفی اس روز گل کی شادی پر جو تم نے کہا تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو کیا وہ سچ تھا؟"

"آپ کو جھوٹ لگا تھا؟" اصفیہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"نہیں...... پتا نہیں...... لیکن میں...... میں بری طرح تمہاری محبت میں گرفتار ہوگیا ہوں...... بے بس ہوگیا ہوں اصفی حالانکہ مجھے پتا ہے۔"

"آپ کو کچھ نہیں پتا۔" اصفیہ کی پلکیں جھک گئیں۔

"عشق اول در دلِ معشوق پیدا می شود
تانہ سوزد شمع کی پروانہ شیدا می شود
درد پہلے محبوب کے دل میں پیدا ہوتا جب تک شمع نہیں جلتی پروانہ نہیں مرتا۔"

"لیکن...... لیکن اصفی کیا ہوگا اس محبت کا انجام؟" وہ پھر ڈر گیا۔ "میں نے سوچا تھا آپ کو کبھی پتا نہیں چلے گا کہ میں آپ سے......"

"مجھے تو بہت پہلے سے پتا تھا کہ آپ......" اصفیہ کھڑی ہوگئی تھی۔ "میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔"

"رکو...... رکو اصفی بیٹھو یہاں میرے سامنے بیٹھو میں آج تمہیں جی بھر کے دیکھنا چاہتا ہوں ہر خوف سے بے نیاز ہو کر خواب دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں خوابوں سے زیادہ عمل پر یقین رکھتی ہوں اور میں شیزی بھائی کی طرح بزدل نہیں ہوں۔ میں چھپ، چھپ کر آہیں بھرنے کے بجائے مر جانا پسند کرتی ہوں۔"

"نہیں، ایسا مت کہو اصفی۔" رواحہ کانپ گیا۔

"سب اچھا ہوگا، زہرا مامی مان جائیں گی۔ میں امی سے کہوں گا وہ بات کریں حسین ماموں سے۔"

"میں ماسٹر تو کرلوں۔"

"تو منع کس نے کیا ہے۔ ابھی تو صرف بات ہوگی ناں۔" وہ شوخ ہوا تھا اور اصفیہ چائے کے بہانے وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

محبت نے اظہار کا پیراہن کیا پہنا تھا کہ دل ہر روز اسے دیکھنے کو بے تاب ہونے لگا تھا۔ وہ چند دن نہ آپاتی تو وہ خود ہی پہنچ جاتا۔ زہرا کھٹکی تھیں۔

"حسین احمد یہ رواحہ آج کل بہت چکر لگانے لگا ہے اِدھر کے...... کہاں مہینوں قدم نہیں رکھتا تھا اور اب ہر ہفتے اپنے گھر گھسا ہوتا ہے جیسے اس کا گھر چور اٹھا کر لے جائیں گے۔"

"اس کا اپنا گھر ہے جب جی چاہے آئے۔"

"تو گھر تک رہے ناں اِدھر کے کیوں چکر لگاتا ہے۔ کبھی شیزی کے پاس بیٹھا ہے کبھی فراز کے کان کھا رہا ہے۔"

"اور اب گھر آ کر اِدھر سب سے ملے بغیر چلا جائے تو تب بھی آپ کہیں گی کہ بے مروت ہے۔" حسین محمود نے ذرا کی ذرا اخبار سے نظر ہٹا کر دیکھا تھا۔

"خیر بے مروت تو ہیں آپ کی منی بیگم......

لیکن یہ گھر کی کیوں فکر پڑ گئی ہے ان کو۔"

"دراصل وہ اِدھر شفٹ ہو رہے ہیں پھر۔" اصفیہ نے انکشاف کیا تھا۔

"ارے وہ کیوں؟" زہرا کو بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ "کیا نجیب بھائی کا کالج اب نزدیک ہوگیا ہے۔"

"نہیں، اب انہوں نے گاڑی جو خرید لی ہے۔ انکل کے پاس اپنی گاڑی ہے، رواحہ کے پاس اپنی۔" اصفیہ لاؤنج میں ہی صوفے پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔

"اور مالک مکان گھر خالی کروا رہا ہے اور نیا گھر کوئی مل نہیں رہا۔"

"اے ہائے حسین صاحب آپ ایسا کیوں نہیں کرتے منی سے یہ گھر خرید لیں۔"

"وہ یہ گھر نہیں بیچنا چاہتے...... آپ خود پہلے بھی کہہ چکی ہیں منی سے اور یہ تنہا منی کا نہیں ہے عادل اور ناہید کا بھی ہے۔"

"اماں آپ فکر نہ کریں۔" اصفیہ نے انہیں تسلی دی تھی۔ "انکل نجیب نے ڈیفنس میں گھر خرید لیا ہے۔ بس ذرا اسے رینوویٹ کرواتا ہے اپنی مرضی کے مطابق کچھ تبدیلیاں کروانی ہے تب تک ہی یہاں رہیں گے۔" زہرا نے جہاں اطمینان کی سانس لی وہاں انہیں ایک اور فکر لاحق ہوگئی۔

"سنیے تو حسین صاحب ڈیفنس میں تو گھر بہت مہنگے ہیں کروڑ سے تو اوپر ہی کا ہوگا؟" وہ اصفیہ کی طرف مڑیں۔ "کتنے مرلے کا ہے؟"

"کنال کا ہے۔" اصفیہ گود میں مونگ پھلی کی پلیٹ رکھے مزے سے اسے چھیلتے ہوئے ساری معلومات دے رہی تھی۔

"ارے پھر تو دو تین کروڑ سے کیا کم ہوگا اتنا پیسہ کیا چوری کا ہے؟"

"نجیب انکل نے اپنا گاؤں والا گھر اور زرعی زمین بیچ دی ہے۔" اصفیہ نے چھلی ہوئی مونگ پھلی حسین احمد کے ہاتھ میں بھی رکھی۔

"ارے، یہ منی تو ہے ہی بہت خوش قسمت۔" وہ ٹھنڈی آہ بھر کر اٹھ گئیں۔

"آپ کہاں چلیں، آپ کو اپنی خوش قسمتی پر شک ہے کیا؟"

"اللہ کا شکر ہے حسین صاحب۔" وہ جاتے جاتے اصفیہ کی طرف مڑی تھیں۔ "شادی سر پر کھڑی ہے اور تم سے یہ نہیں ہوتا کہ کچھ ہاتھ ہی بٹادو۔"

"آپ سے کہا بھی تھا میرے فائنل کے بعد تاریخ رکھیں شادی کی۔" اصفیہ نے گلہ کیا۔

"لو میں کیا کرتی لڑکی کے باوا کی چھٹی ختم

ہونے والی تھی پھر سال بعد آتے وہ۔"

"اصفی بیٹا کچھ اپنی ماں کا ہاتھ بٹا دیا کرو۔ تھک جاتی ہیں وہ۔ فصی بھی اسپتال چلی جاتی ہے۔ کہہ رہی تھی شادی سے پندرہ دن پہلے ہی چھٹی لے گی۔"

"جی ابا۔" وہ سعادت مندی سے پلیٹ ٹیبل پر رکھ کر باہر چلی گئی لیکن جانے سے پہلے اس نے مڑ کر شرارتی نظروں سے ابا کو دیکھ کر کہا تھا۔ "ویسے ابا آپ تو بہت خوش ہوں گے منی پھپو کے آنے سے۔" اور حسین محمود کے جواب دینے سے پہلے ہی جھپاک سے وہ باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

"وقت بعض لوگوں کے ہر درد کا مداوا بن جاتا ہے اور بعض کے لیے نہیں۔" اصفیہ نے جلدی، جلدی تیار ہوتے ہوئے سوچا تھا۔ آج حفصہ کی مہندی تھی۔

"جیسے ابا کے لیے وقت مداوا بن گیا تھا اور کیا، شیزی بھائی کے لیے بھی وقت یوں ہی مداوا بن جائے گا۔ کیا وہ بھی سمجھوتا کرلیں گے زندگی سے اور انہیں گل آپی یاد نہیں آئے گی۔ شیزی بھائی کی دلہن اچھی تھی خوش شکل لیکن وہ گل آپی نہیں۔ اس نے منگنی پر ہی اسے دیکھا تھا اور اس کے تصور میں گل آگئی تھی اور کیا خبر اسے انگوٹھی پہناتے ہوئے شیزی بھائی نے بھی گل آپی کو سوچا ہو۔ اللہ کرے شیزی بھائی کی زندگی اچھی گزرے۔ ابا اور منی پھپو کی زندگی کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اچھی لیکن میں...... کیا میں بھی؟ اگر اماں نے انکار کردیا تو کیا میں بھی ایک مطمئن زندگی گزار سکوں گی......؟ نہیں۔" اس نے خود ہی جواب دیا۔

"میں ایڈجسٹمنٹ پر زندہ نہیں رہ سکتی میں پوری سوچی زندگی جیوں گی رواحہ کے ساتھ۔" اس نے بیڈ پر پڑا دوپٹا اٹھا کر سیٹ کیا اور باہر نکل آئی۔ آنگن میں آکر اس نے سامنے کی طرف دیکھا تھا۔ مدتوں بعد دوسری طرف زندگی نظر آئی تھی۔

منی پھپو، ارفع کو آواز دیتی کچن کی طرف جارہی تھیں اور رواحہ اپنے کمرے سے نکل کر ادھر ہی آرہا تھا۔ لمحے بھر کے لیے وہ اس کے پاس رکا تھا۔

"شادی کے بعد امی تمہارے لیے بات کریں گی۔" رواحہ نے اس کا سراپا آنکھوں میں سموتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔

"اور سنو اصفی میں زیادہ انتظار نہیں کروں گا بس اِدھر تمہارا آخری پیپر ہوا اُدھر رخصتی......" اور وہ مسکرا کر حفصہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

مہندی، بارات، ولیمہ ہر فنکشن میں رواحہ اور منی پھپو کی فیملی نے بھرپور حصہ لیا تھا۔ بہت قیمتی تحائف بھی دیے تھے اور شکر تھا کہ زہرا کا مزاج بھی برہم نہ تھا اور وہ بھی چھوٹی، چھوٹی باتوں میں منی پھپو سے ہی مشورہ کررہی تھیں۔ ان کے یہاں شفٹ ہونے کا سب سے زیادہ فائدہ زہرا کو ہی ہوا تھا۔ منی پھپو نے بہت سارے کام سنبھال لیے تھے۔ ان کی بہن اور نخریلی بھانجیاں تو وقت کے وقت بڑی مشکل سے آتی تھیں اور سارا وقت ناک چڑھائے بیٹھی رہتی تھیں اور یہ بات اصفیہ نے چپکے سے حسین محمود کے کان میں کہی تھی اور وہ مسکرا دیے تھے۔ وہ خود تو ذرا سا بھی وقت ملتا تو پڑھنے بیٹھ جاتی تھی۔ شادی کے فوراً بعد اس کے پیپرز شروع ہوجانے تھے۔ سو اسے پتا بھی نہ چلا کہ کب منی پھپو نے رواحہ کے لیے جھولی پھیلائی اور کب اماں نے صاف جواب دے دیا۔ وہ تو فنکشن ختم ہوتے ہی کمرے میں بند ہوگئی تھی اور رواحہ بھی ایک ماہ کے لیے اپنے آفس کے کام سے کراچی گیا ہوا تھا۔ وہ تو اس روز مری سے واپسی پر حفصہ نے اسے بتایا تھا کہ منی پھپو نے رواحہ بھائی کے لیے اس کا رشتہ مانگا ہے اور اماں نے انکار کردیا ہے۔

"کیوں، رواحہ میں کیا خرابی ہے؟" جلدی، جلدی رٹا لگاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"خرابی تو کوئی نہیں لیکن اماں کی مرضی......"

"تو فصی تم اماں سے کہہ دو میری مرضی یہ ہے کہ رواحہ کے ساتھ ہی میری شادی ہو۔ رواحہ نہیں تو اور کوئی نہیں۔" اس نے ذرا کی ذرا نظریں کتاب سے ہٹا کر حفصہ کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر بلا کا اطمینان تھا اور حفصہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اور یہ تو ہونا ہی تھا۔" اماں نے سنا تو ہاتھ ملے۔ "اس لیے کہتی تھی حسین صاحب مت ڈھیل دیں اُسے۔ یہ روز، روز کا جانا رنگ تو لانا ہی تھا۔" اماں کی آواز کمرے تک آرہی تھی۔

"لیکن رواحہ ایک بہترین انسان ہے پھر اپنے ہیں، کیا حرج ہے۔ تم اپنی بیٹی کی خاطر اپنے اندر کی تلخی ختم کردو زہرا...... منی نے تمہارے ساتھ کبھی برا نہیں کیا، سوچو تو تم نے خود ہی محاذ کھولے رکھا ساری عمر۔" حسین محمود نرم لہجے میں کہہ رہے تھے۔ "تمہاری بیٹی وہاں خوش رہے گی زہرا۔"

"لیکن کیا کہے گی منی کہ اس کی بیٹی کے لیے تو ہم منہ سیے بیٹھے رہے اور اب اپنی بیٹی کے لیے...... نہیں حسین صاحب میں اپنی ناک نہیں کٹواؤں گی۔" اصفیہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ اماں کے لہجے میں ہتھیار ڈال دینے والی شکستگی تھی۔

"ناک تو تب کٹتی زہرا بیگم کہ تم خود کہتیں اپنی بیٹی کے لیے۔ منی اور نجیب بھائی نے تو خود دامن پھیلایا ہے۔ بہت آرزومند ہیں وہ۔ بہت پیار کرتی ہے منی ہماری اصفی سے۔"

"یہ تو ہے۔" اماں کا لہجہ نرم تھا اور بے حد مطمئن ہوکر اس نے وکٹری کا میسج رواحہ کی طرف بھیج دیا۔

رواحہ کو فون کرنے سے اس نے خود ہی منع کردیا تھا کہ جب تک پیپرز ہورہے ہیں وہ اسے فون نہیں کرے گا کیونکہ اسے فیل نہیں ہونا اور اگر فیل ہوگئی تو ایک سال اور...... رواحہ نے فوراً ہی ہنستے ہوئے کارٹون کا میسج بھیجا تھا اور پھر کے بعد دیگرے

سیپ سیپ موتی

☆ بزدلی دراصل یہ ہے کہ آپ حق کے لیے آواز نہ اٹھائیں۔

☆ محبت اور نفرت دونوں اگر حد سے بڑھ جائیں تو جنون کی حد میں داخل ہوجاتے ہیں اور جنون کسی بھی چیز کا اچھا نہیں ہوتا۔

☆ بے بسی اتنا اداس نہیں کرتی جتنا بے بسی کا احساس بے آس کردیتا ہے۔

☆ اپنوں اور غیروں میں رابطے کا فرق ہے اگر رابطے قائم رہیں تو غیر بھی اپنے بن جاتے ہیں اگر رابطے ٹوٹ جائیں تو اپنے بھی غیر بن جاتے ہیں۔

☆ قابلِ احترام ہے وہ شخص، جو اس شخص سے بھی جھک کر ملے جس سے اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچے۔

☆ کوئی تمہارا دل دکھائے تو ناراض نہ ہونا کیونکہ یہ قانونِ قدرت ہے کہ جس درخت کے ساتھ زیادہ میٹھا پھل ہوتا ہے اسے لوگ زیادہ پتھر مارتے ہیں۔

مرسلہ: سیدہ فرزانہ، حجرہ شاہ مقیم

کئی پکچر میسج آئے تھے اور اس نے ویٹ لکھ کر فون آف کردیا تھا اور پھر وہ اگلے کئی دن بے طرح مصروف رہی تھی۔ حفصہ بھی نہیں آئی تھی۔ شیزی اور اس کی دلہن مری گئے ہوئے تھے۔ اس روز وہ اپنا آخری پیپر دے کر آئی تھی اور اس نے اپنے اسٹاپ پر اترتے ہوئے سوچا تھا کہ وہ جی بھر کر سوئے گی اور پھر رواحہ کو لمبا سا فون کرے گی۔ منی پھپو کی طرف جائے گی اور ...... اور گل آپی کو بھی بتائے گی۔ ڈرائنگ روم سے باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ ایک لمحے کے لیے رکی تھی اور مڑ کر منی پھپو کے حصے کی طرف دیکھا تھا۔ وہاں خاموشی تھی برآمدے میں چقیں پڑی تھیں اور آنگن خالی تھا۔ وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی اور پھر ٹھٹک کر رک گئی۔

"اماں آپ نے اصفی کو بتایا؟" یہ فصی کی آواز تھی تو فصی آئی ہوئی ہے۔ اس نے ایک قدم بڑھایا۔

''ارے کیا بتاتی، امتحان میں ڈسٹرب کرتی۔ دو دن بعد کی تاریخ دی ہے رسم کرنے کے لیے۔ ہاں تو میں نے لڑکا دیکھتے ہی کر دی تھی۔ اتنا ہینڈسم پڑھا لکھا رواحہ تو اس کے سامنے پانی بھرتا ہے اور پھر یہ دو کنال کا گھر واپڈا کالونی میں، عیش کرے گی اَصفی۔''

اور اصفیہ جیسے وہاں ہی ساکت ہوگئی تھی۔

''لیکن اماں اس نے کہا تھا رواحہ نہیں تو اور کوئی نہیں۔ وہ کچھ کر نہ لے اماں۔'' حفصہ کی آواز میں تشویش تھی۔

''ارے تو کیا کرلے گی؟ خودکشی؟'' زہرا کا انداز وہی تھا بے پروا اور بے نیاز سا۔

''نہیں اماں، میں خودکشی نہیں کروں گی لیکن میں جی بھی نہیں سکوں گی۔'' وہ وہاں سے ہی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

حفصہ نے کچھ دیر بعد اس کے کمرے میں جھانکا تھا وہ کروٹ بدلے چادر اوڑھے لیٹی تھی۔

''فصی جگانا مت اسے...... سونے دو کتنی راتوں کا رتجگا ہے۔'' زہرا کے لہجے میں محبت بولتی تھی۔

''یہ کیسی محبت ہے اماں کہ آپ نے بیٹی کے دل کا سودا کر دیا۔'' آنسو آنکھوں میں نہیں تھے لیکن اندر کہیں گر رہے تھے۔ اس نے چادر سر تک تان لی۔ حفصہ آہستگی سے دروازہ بند کر کے ماں کے پاس چلی آئی۔

☆☆☆

صبح وہ ناشتے کے لیے نہیں اٹھی تھی؟

''دیر سے کرلے گی کچھ دیر اور سو لے۔'' انہوں نے چائے کا کپ حسین محمود کی طرف کی بڑھاتے ہوئے ان کے استفسار کرنے پر کہا تھا۔

''وہ ٹھیک تو ہے ناں؟'' پتا نہیں کیوں حسین محمود کا دل گھبرا رہا تھا۔

''ہاں ٹھیک ہے، تھکی ہوئی ہے۔ آج خرم کے گھر والے آئیں گے.... منگنی کے جوڑا کا ناپ لینے۔''

''تم نے اس سے پوچھا تو ہوتا۔''

''بھلا کیا پوچھتی؟''

''وہ جو رواحہ ہے......'' حسین محمود نے ان کی طرف دیکھا۔

''خرم کو دیکھ کر رواحہ کو بھول جائے گی۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ہم نے کون سا حفصہ سے پوچھا تھا جو اب اس سے پوچھتے۔ سچ تو یہ ہے کہ آسمان سے ہی ٹپکا ہے یہ رشتہ اچانک ہمارے لیے۔ شیزی کی شادی میں دیکھا تھا خرم کی امی نے اِسے...... ارے ہاں، یہ کل منی اور نجیب بھائی پھر کیا کہہ رہے تھے صبح، آپ سے؟''

''کچھ نہیں۔'' حسین محمود نے سر جھکا لیا اور چائے کا آدھا کپ پی کر کھڑے ہوگئے۔

''ارے ناشتا تو کرلیتے۔''

''جی نہیں چاہ رہا۔'' وہ اخبار اٹھا کر باہر نکلے تو زہرا بیگم بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ناشتے کو ان کا بھی جی نہیں چاہ رہا تھا۔

''دیکھ لوں بلکہ جگا دوں...... کل یونیورسٹی سے آکر جو سوئی ہے تو اب تک سو رہی ہے۔ شام کو خرم کی امی نے بھی آنا ہے۔'' وہ اصفیہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں اور پھر کچھ ہی دیر بعد ان کی چیخوں سے پورا گھر گونج رہا تھا۔

''نہیں۔'' حسین محمود ننگے پاؤں بھاگے تھے اور منٹوں میں منی پھپو، نجیب صاحب، ارفع سب اس کے کمرے میں جمع تھے۔

اس نے خودکشی نہیں کی تھی لیکن رات کے کسی پہر اس کا دل بند ہوگیا تھا۔